زندگی گلزار ہے

از

عمیرہ احمد

زندگی گلزار ہے

9 ستمبر

آج گورنمنٹ کالج میں میرا پہلا دن تھا۔ میری روم میٹ فرزانہ تھی میرے ہی ڈیپارٹمنٹ میں ہے۔ اس لیے صبح مجھے ٹینشن نہیں تھی کہ اکیلئے کلاسز کیسے ڈھونڈوں گی۔ وہ خاصی بولڈ لڑکی ہے، بڑے شہروں میں رہنے والے شاید سب ہی ایسے ہوتے ہیں۔ صبح جب ہم لوگ کالج پہنچے تو بارش ہو رہی تھی اور ایسے موسم تعلیم کے لیے کافی نقصان دہ ہوتے ہیں لیکن خلاف توقع کالج میں کافی لوگ تھے۔ آج صرف سر ابرار نے تعارفی کلاس لی تھی اور دوسرے کسی پروفیسر نے کلاس میں آنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ ان کے بارے میں پہلے ہی بہت سے لوگوں سے سن چکی ہوں کہ وہ بہت وقت کے پابند ہیں۔ مجھے توقع تھی کہ وہ بہت سخت ہوں گے مگر پہلی ملاقات میں ان کا امپریشن بہت نرم دل آدمی کا تھا۔

آج کلاس میں اسٹوڈنٹس کم ہی تھے اور ان میں بھی لڑکیوں کی تعداد کافی کم تھی۔ آج میرے اور فرزانہ کے علاوہ صرف اور دو لڑکیاں آئی تھیں اسارہ اور آئزہ دونوں بہت اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ میں تو شاید ان سے اپنا تعارف نہ ہی کرواتی لیکن فرزانہ ان کے پاس چلی گئی تھی۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہی ''کوئین میری'' سے گریجویشن کر کے آئی تھی اس لیے انہیں اچھی طرح جانتی تھی۔ فرزانہ کی وجہ سے مجبوراً مجھے بھی ان سے سلام دعا کرنی پڑی۔ باتوں کے دوران ان لوگوں نے مجھے نظر انداز کیا لیکن اس چیز نے مجھے زیادہ ہرٹ نہیں کیا، میری معمولی شکل اور لباس دیکھ کر وہ مجھے وی آئی پی ٹریٹمنٹ دینے سے تو رہیں ویسے بھی یہ چیز میرے لیے اب اتنی نئی نہیں رہی۔

سر ابرار نے کلاس میں سب سے پہلے اسارہ سے ہی اپنا تعارف کروانے کے لیے کہا تھا۔

''میرا نام اسارہ ابراہیم ہے۔ میں کوئین میری کالج سے فرسٹ ڈویژن

میں گریجویشن کر کے آئی ہوں، ہر قسم کی سرگرمیوں میں حصہ لیتی ہوں۔ آپ کی کلاس میں ایک اچھا اضافہ ثابت ہوں گی۔"

بڑی رواں انگلش میں اس نے کہا تھا۔ اس کا لہجہ بے حد پر اعتماد تھا اور میں صرف یہ سوچ کر رہ گئی تھی کہ کیا دولت اور خوبصورتی کے بغیر اتنے اعتماد سے بات کی جا سکتی ہے؟

فرزانہ، اسمارہ اور آئزہ سے متعارف ہونے کے بعد سر ابرار میری طرف متوجہ ہوئے تھے۔ مجھے فوراً تعارف کروانے کے لیے کہنے کے بجائے وہ کچھ دیر تک بغور مجھے دیکھتے رہے پھر انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ بھی ہماری ہی کلاس کی ہیں۔؟"

"یس سر۔" میں ان کے سوال پر حیران ہوئی تھی۔

"میں نے اس لیے پوچھا ہے کیونکہ آپ بہت چھوٹی سی لگ رہی ہیں۔"

"نو سر! میں چھوٹی سی تو نہیں ہوں۔ میری ہائیٹ پانچ فیٹ چار انچ ہے۔" میں نے ان کی بات سمجھے بغیر فوراً کہہ دیا۔ میرے جملے پر سر ابرار ہنس پڑے اور اگلی رو میں بیٹھے ہوئے دو لڑکوں نے یک دم پیچھے مڑ کر دیکھا تھا ان کے چہرے پر مجھے مسکراہٹ نظر آئی پھر ان میں سے ایک نے سر ابرار سے کہا۔

Sir! that is just the right height for a girl neither too tall nor too short.

"سر! یہ لڑکی کے لیے بالکل مناسب قد ہے، نہ بہت لمبا ہے، نہ بہت چھوٹا ہے۔"

ساری کلاس ایک دم قہقہوں سے گونج اٹھی تھی۔ سر ابرار نے کھنکار کر اپنی ہنسی کو کنٹرول کیا اور لڑکے سے کہا۔

No Zaroon! don't try to embarras her

(نہیں زارون! اسے پریشان نہ کرو۔)

پھر انہوں نے مجھ سے میرا نام پوچھا۔

"میرا نام کشف مرتضٰی ہے۔ میں گجرات سے آئی ہوں۔"

میں نے مختصراً اپنا تعارف کرایا، میرے تعارف کے بعد سر ابرار نے لڑکوں کا تعارف لیا اور جب اس لڑکے جس کا نام زارون تھا، نے خود کو متعارف کروایا تو میں نے بھی اسی طرح مداخلت کی جیسے اس نے کی تھی، شاید میں ایسا نہ کرتی لیکن اس کا انداز ہی مجھے اتنا برا لگا کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر بیٹھی اس وقت تو مجھے اپنی مداخلت

ٹھیک نہیں لگی تھی لیکن اب میں سوچ رہی ہوں کہ شاید میں نے غلط کیا تھا۔ میں یہاں اس قسم
کی فضول جھڑپوں کے لیے تو نہیں آئی میں اب دوبارہ ایسا کبھی نہیں کروں گی۔ ایک دن گزر
گیا کاش باقی دن بھی عزت سے گزر جائیں۔

9 ستمبر

آج کا دن خراب ترین دنوں میں سے ایک تھا۔ کالج میں ایم اے کلاسز کا پہلا دن
اور پہلے دن ہی۔

صبح میں بہت اچھے موڈ میں کالج گیا تھا کیونکہ موسم بہت اچھا تھا پہلی اور آج ہونے
والی واحد تعارفی کلاس سر ابرار کی تھی اور ان کی کلاس میں بی اے میں مس نہیں کر سکا تو اب
کیسے کرتا اب ان سے تعلقات اچھے کرنا اور رکھنا میری مجبوری ہے۔ ظاہر ہے وہ پاپا کے اچھے
بلکہ مجھے تو لگتا ہے کہ بہترین دوست ہیں ورنہ پاپا کتھارسس کے موڈ میں ہمیشہ ان کے گھر نہ
پائے جائیں۔ پاپا پر ان کا بہت اثر ہے۔ بعض دفعہ میری جو بات پاپا ویسے نہیں مانتے وہ صرف
ان کے کہنے پر مان لیتے ہیں۔ ویسے کبھی کبھی تو مجھے سر ابرار بہت سپر نیچرل قسم کی چیز لگتے ہیں
انہیں میری ہر ایکٹیویٹی کا پتا ہوتا ہے۔ بی اے میں جب ان کی کلاس میں دیر سے آتا تھا
تو وہ میرے نہ آنے کی اصل وجہ خود ہی تیار کرتے تھے انہیں بہت اچھی طرح پتا ہوتا تھا کہ
میں نے کس دن کتنی کلاسز چھوڑیں، آج کل کن لڑکیوں کے ساتھ پھر رہا ہوں کون سے
پروفیسر میرے بارے میں اچھے خیالات رکھتے ہیں اور کون سے مجھ سے تنگ ہیں، پھر بھی یہ
ان کا احسان ہی تھا کہ وہ پاپا کو کسی بات سے مطلع نہیں کرتے تھے۔ کافی مہربان ہیں وہ مجھ پر۔

جب میں کلاس میں گیا تھا تو وہاں زیادہ لوگ نہیں تھے۔ اسامہ اور فاروق مجھے
کلاس سے باہر ہی مل گئے تھے۔ ان کے ساتھ جب میں اگلی رو کی طرف گیا تو میں نے دیکھا
کہ دوسری رو میں چار لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ ان میں سے دو کو تو میں فوراً پہچان گیا ایک اسمارہ
ابراہیم تھی اور دوسری آئزہ مسعود دونوں کزنز ہیں اور سوشل گیدرنگز میں اکثر ان سے ملاقات
ہوتی رہتی ہے اسمارہ کو میں خاصا پسند کرتا ہوں کیونکہ وہ خوبصورت ہے۔ فرینک ہے اور ایسی
ہی لڑکیاں مجھے اپیل کرتی ہیں وہ دونوں مجھے دیکھتے ہی اپنی رو سے باہر آگئیں۔ جب میں ان
سے رسمی ہیلو ہائے میں مصروف تھا تو دوسری رو میں بیٹھی ہوئی دو لڑکیوں میں سے ایک کی
خوبصورت آنکھیں دیکھی تھیں اور اس کے ساتھ وہ بیٹھی تھی جس نے واقعی مجھے کلاس میں ناکوں

پتے چھوڑ دیے تھے۔

کلاس شروع ہونے سے پہلے جب میں نے اس پر ایک سرسری نظر ڈالی تھی تو مجھے
اس میں ایسی کوئی خوبی نظر نہیں آئی جو مجھے دوبارہ اسے دیکھنے پر مجبور کرتی۔ لائٹ پنک کلر کے
لباس میں ملبوس وہ خود کو ایک بڑی سی چادر میں چھپائے ہوئے تھی اور وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے
ہوئے بال پوائنٹ سے اپنی فائل کو مسلسل سکریچ Dee رہی تھی، میں چونکہ اسمارہ اور آئزہ کے
ساتھ باتوں کے دوران وقتاً فوقتاً فرزانہ کو بھی دیکھ رہا تھا اور وہ چونکہ فرزانہ کے ساتھ بیٹھی تھی
اس لیے اس کی یہ حرکت میری نظر میں آ گئی۔

سر ابرار کلاس میں آنے کے بعد مجھے دیکھ کر مسکرائے تھے۔ دو دن پہلے انہوں نے
مجھ سے کہا تھا کہ اب لیٹ آنے پر کچھ اچھے اور موزوں بہانے بنا کر پیش کروں کیونکہ وہ
پرانے گھسے پٹے بہانے سن سن کر تنگ آ گئے ہیں اور میں نے انہیں تسلی دی تھی کہ اب میں
پرانے بہانوں سے انہیں بور نہیں کروں گا۔ آخر میں ایک تخلیقی بندہ ہوں، لیکن پہلے ہی دن صحیح
وقت پر کلاس میں موجود پا کر وہ شاید یہ سمجھے تھے کہ میں نے دیر سے آنے کی پرانی حرکتیں چھوڑ
دی ہیں۔ اسی لیے وہ مجھے دیکھ کر بڑی خوش دلی سے مسکرائے تھے۔

میں جانتا تھا کہ سر ابرار سب سے پہلے لڑکیوں سے ہی تعارف لیں گے اور میں
فرزانہ کے بارے میں جاننے کے لیے کافی مشتاق ہو رہا تھا کیونکہ اس کی آنکھوں نے مجھے
بہت متاثر کیا تھا اس لیے بڑے صبر کے ساتھ میں اس کے تعارف کا انتظار کر رہا تھا اور اس
کے تعارف کے بعد مجھے اور کسی کے تعارف میں دلچسپی نہیں رہی تھی سوائے اپنے لیکن جب سر
ابرار نے اس لڑکی سے کہا کہ وہ بہت چھوٹی سی لگ رہی ہے تو اس کے جواب نے مجھے
مسکرانے اور پیچھے مڑنے پر مجبور کر دیا وہ واقعی کافی کم عمر لگتی تھی میں نے اس کی بوکھلاہٹ دیکھ
کر اس پر بے اختیار ریمارکس پاس کیے یہ کر کے مجھے کافی خوشی ہوئی تھی ہمیشہ کی طرح۔

پھر جب سر ابرار نے مجھے اپنا تعارف کروانے کے لیے کہا تو میں اپنی جگہ سے اٹھ
کر ڈائس کے پاس چلا گیا۔ سر ابرار مسکراتے ہوئے خاموشی سے مجھے دیکھتے رہے شاید وہ جاننا
چاہتے تھے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔

”میرا نام زارون جنید ہے۔ میری اسکولنگ ایچی سن میں ہوئی ہے اور وہاں تھرو
آؤٹ میں فرسٹ پوزیشن لیتا رہا ہوں پچھلے سال میں نے اسپورٹس میں کالج کلر حاصل کیا اور
بی اے میں ٹاپ کیا گریجویشن کے دوران میں کالج کی تقریباً تمام سرگرمیوں میں حصہ لیتا رہا

ہوں۔ آپ میں سے بہت سے ایسے ہوں گے جو اس کالج میں تو کیا شاید اس شہر میں بھی نئے ہوں گے اور میں یہاں کا پرانا سٹوڈنٹ ہوں، سو آپ میں سے کسی کو اگر میری مدد کی ضرورت پڑے تو مجھے مدد کر کے بہت خوشی ہوگی شکریہ بہت بہت۔"

میں نے اپنا بڑا تفصیلی تعارف کرایا تھا اور پھر اپنی چیئر پر آ کر بیٹھ گیا۔ سر ابرار کی مسکراہٹ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ جان چکے ہیں کہ میں آج بہت موڈ میں تھا۔ اسی لیے جب میں اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھا تو انہوں نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس ساری تقریر کو آپ کیا سمجھتے ہیں؟"

"سر! آئندہ یونین الیکشنز میں کھڑا ہونے کے لیے کوئینگ کی ایک کوشش۔"

جواب وہاں سے آیا تھا جہاں سے ایسے کسی جملے کی میں توقع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کشف مرتضٰی تھی صرف ایک لمحہ کے لیے میں ساکت ہوا تھا پھر بڑے اطمینان سے پیچھے مڑتے ہوئے سیدھا اس کی آنکھوں میں جھانک کر میں نے پوچھا۔

"تو کیا میں یہ امید رکھوں کہ آپ مجھے ووٹ دیں گی۔؟"

"ہرگز نہیں، آپ مجھ سے ووٹ کی امید نہ رکھیں۔"

اس کے فوری جواب نے مجھے حیران کر دیا۔

"تو کیا میں یہ توقع رکھوں کہ اگر میں الیکشن میں ایک ووٹ سے ہاروں گا تو وہ ووٹ آپ کا ہی ہوگا۔"

"آپ کو یہ خوش فہمی کیوں ہے کہ آپ صرف ایک ہی ووٹ سے ہاریں گے۔ میں آپ کو گارنٹی دے سکتی ہوں کہ آپ لمبی لیڈ سے ہاریں گے۔"

"کیوں؟ آپ یہ گارنٹی کیسے دے سکتی ہیں کہ میں لمبی لیڈ سے ہاروں گا آپ کیا جعلی ووٹ کاسٹ کرنے کی ماہر ہیں۔"

"نہیں جی، یہ کام آپ کو ہی مبارک ہو۔ مہارت حاصل کرنے کے لیے اور بہت سے شعبے ہیں۔ جو لوگ زیادہ خوش فہم ہوتے ہیں وہ ہارتے ہمیشہ ہی بری طرح ہیں۔"

"ہو سکتا ہے۔ اس بار آپ کا اندازہ غلط ثابت ہو۔"

"چلیں دیکھ لیں گے، ویسے دنیا بھی تو امید پر قائم ہے۔"

اس کا لہجہ بہت دوٹوک تھا۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی سیدھا ہو گیا۔ سر ابرار مجھے ہی دیکھ رہے تھے اور ان کی مسکراہٹ بہت گہری تھی۔ وہ لڑکی پہلی نظر میں مجھے بے وقوف لگی تھی

لیکن اب میں اس کے بارے میں اپنا خیال بدل چکا ہوں وہ اتنی بے وقوف نہیں ہے جتنی مجھے لگی تھی آئندہ اس سے بات کرتے ہوئے میں کافی محتاط رہوں گا تاکہ آج کی طرح دوبارہ مجھے شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔

17 ستمبر

آج کالج میں جاتے ہوئے مجھے پورا ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔ اس ایک ہفتہ کے دوران اتنی باقاعدگی سے کلاسز نہیں ہوئیں اور میں فکرمند ہوں کہ اگر اسی رفتار سے کلاسز ہوں گی تو کورس کیسے پورا ہو گا۔ خیر ابھی تو ایک ہفتہ ہی ہوا ہے۔

پہلے دن زارون جنید کے ساتھ میری بحث ہوئی تھی اور اس کے بعد اس کا رویہ کافی عجیب سا ہے۔ اس کا گروپ ڈیپارٹمنٹ کے سب سے ذہین ترین لڑکوں پر مشتمل ہے اور پورے کالج میں ان کی دھاک جمی ہوئی ہے ویسے بھی جب کسی کے پاس ذہانت' خوبصورتی اور دولت کی فراوانی ہو تو کسی جگہ بھی دھاک جمانا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو دیکھ کر مجھے وہ بات شدت سے یاد آتی ہے کہ خدا کسی بھی آدمی کو سب کچھ نہیں دیتا، کوئی نہ کوئی کمی ضرور رکھتا ہے مگر آخر اس گروپ کے لوگوں میں کیا کمی ہے؟ کیا وہ خوبصورت نہیں ہیں؟ کیا ان کے پاس روپیہ نہیں ہے؟ کیا ان کے پاس ذہانت نہیں ہے یا اچھا فیملی بیک گراؤنڈ نہیں ہے۔ آخر ایسی کون سی چیز ہے جو ان کے پاس نہیں ہے۔ مجھے بالکل بھی اس بات پر یقین نہیں ہے کہ خدا کسی بھی شخص کو سب کچھ نہیں دیتا۔ بعض لوگوں کو تو اللہ نے سب کچھ دے دیا ہے اور بعض کو کچھ بھی نہیں۔ مجھ میرے جیسے لوگ جنہیں نہ اچھا کھانے کو ملتا ہے نہ پہننے کو جو پیدا ہو جائیں تو صرف عزت ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ عزت کی بنیاد تقویٰ پر کہاں ہوتی ہے کون عزت کرتا ہے آپ کے تقویٰ کی؟ عزت تو روپے سے ہوتی ہے اور تقویٰ تو ویسے بھی غریبوں کی میراث بن کر رہ گیا ہے غریب کی عبادت تو کسی کھاتے میں نہیں آتی۔ ہاں امیر عبادت کرے تو پورے زمانہ میں اس کی دھوم مچ جاتی ہے اور دعائیں بھی تو امیروں کی ہی قبول ہوتی ہیں جو خدا کی راہ میں ہزاروں بلکہ لاکھوں خرچ کرتے ہیں بھلا مجھ جیسے لوگ جو روپیہ دو روپیہ خیرات کرتے ہیں ان کی دعائیں کیسے قبول ہو سکتی ہیں۔ پھر میرے جیسے لوگ یہ کہہ کر خود کو تسلی دے لیتے ہیں کہ ضرور ہم میں ہی کوئی خرابی ہو گی جو دعا قبول نہیں ہوتی۔

جب تک چھوٹی تھی۔ خود کو بہلا لیا کرتی تھی لیکن جب سے یہاں آئی ہوں اور لوگوں کے پاس اتنا روپیہ اور آسائشیں دیکھی ہیں کہ اپنی ذات اور بھی حقیر لگنے لگی ہے۔ کچھ تو ایسا

میرے پاس بھی ہوتا جو دوسروں سے موازنہ کرتی اور خود کو بہتر پاتی۔ یہاں آکر میرے کمپلیکسز اور بھی زیادہ ہو گئے ہیں لیکن میں اپنی تعلیم چھوڑ کر یہاں سے جا بھی تو نہیں سکتی۔

میری روم میٹ فرزانہ سو چکی ہے اور میں اس وقت کسی سے باتیں کرنا چاہتی ہوں لیکن اس سے نہیں کر سکتی کیونکہ وہ میری صرف روم میٹ ہے دوست نہیں۔ وہ جس کلاس سے تعلق رکھتی ہے وہ کلاس صرف اسٹیٹس دیکھ کر دوست بناتی ہے اور وہ تو ویسے بھی زارون جنید کے گروپ میں ہوتی ہے۔ اس کے رویے نے مجھے تکلیف نہیں پہنچائی ہر شخص کو حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی کے دوست بنائے۔ لیکن کیا واقعی مجھے تکلیف نہیں ہوتی؟ ہاں مجھے تکلیف پہنچتی ہے کیا اس بات سے آپ کو تکلیف نہیں ہوتی کہ کوئی صرف اس لیے آپ کو نظر انداز کرتا ہے کیونکہ آپ کے پاس روپیہ نہیں ہے آپ کا لباس مہنگا نہیں ہے آپ کسی اونچی فیملی سے تعلق نہیں رکھتے۔

ہر گزرتا دن اس بات پر میرا اعتقاد پختہ کرتا جا رہا ہے کہ دنیا میں سب سے بڑی طاقت روپیہ ہے اور یہی روپیہ مجھے حاصل کرنا ہے کیونکہ صرف یہی وہ چیز ہے جو اس معاشرہ میں میرے خاندان کو عزت دلوا سکتی ہے۔ کیا کبھی میرے پاس اتنا روپیہ ہوگا کہ میں اپنی ساری خواہشات کو پورا کر سکوں۔ خواب صرف خواب وہ کسی نے کہا ہے نا۔

خواب تو خواب ہے فقط خواب ہی سے کیا ہوگا ہمارے بیچ جو حائل ہے وہ حقیقت ہے۔

---

25 ستمبر

آج پہلا دن تھا جب ساری کلاسز ہوئیں اب اسٹڈیز کا سلسلہ باقاعدہ ہو جائے گا۔ کالج میں اب مجھے صرف دو سال گزارنے ہیں اور پھر عملی زندگی کا آغاز ہو جائے گا اور میں ان دو سالوں کو پوری طرح سے انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔

اس وقت رات کے گیارہ بجے ہیں اور میں اس قدر تھکا ہوا ہوں کہ سونے کے علاوہ کچھ اور کرنے کا موڈ نہیں ہے لیکن بہر حال میری ڈائری اس کچھ میں شامل نہیں ہے۔ ڈائری لکھے بغیر تو میں سو ہی نہیں سکتا۔

آج میں نے کالج میں کافی مصروف دن گزارا لیکن کسی بھی کلاس میں کسی قسم کی بحث کے بغیر حتی کہ کشف نے بھی آج مجھ سے بحث کرنے کی کوشش نہیں کی۔ خاص طور پر ابرار کی کلاس میں ایک پوائنٹ پر میں امید کر رہا تھا کہ وہ ضرور کچھ نہ کچھ کہے گی مگر غیر متوقع طور پر وہ خاموش رہی۔ لیکن ہر گزرتے دن کے ساتھ ابرار کی کلاس میں

کرتی جارہی ہے اور پتہ نہیں سر ابرار کو بھی کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس کی بات کو بہت اہمیت دینے
لگے ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں۔ چند دن کی ہی تو بات ہے، ابھی وہ یہاں نئی ہے اس لیے ریزرو
ہے، کچھ دن بعد جب اسے کالج کی ہوا لگے گی تو پھر ایسی لڑکیاں کلاسز اٹینڈ کرنے کے بجائے
لان اور کیفے ٹیریا میں زیادہ پائی جاتی ہیں کیونکہ یہ مڈل کلاس کی لڑکیاں کالج جیسی جگہ پر
پڑھنے نہیں لڑکے پھانسنے آتی ہیں تاکہ اپنی کلاس سے نکل کر وہ اس کلاس میں آسکیں اور وہ بھی
مڈل کلاس کی ہی ایک لڑکی ہے۔ وہ کیا مختلف ہوگی فرزانہ نے بتایا تھا کہ وہ اپنے اخراجات
پورے کرنے کے لیے کچھ ٹیوشنز بھی کرتی ہے تو ایسی لڑکیوں کے لیے دولت میں ویسے ہی
بہت چارم ہوتا ہے۔ میں بھی دیکھوں گا وہ کب تک اس امیج کو برقرار رکھتی ہے۔

آج اسمارہ نے مجھے اپنی برتھ ڈے پر انوائیٹ کیا تھا سو میری آج کی شام بہت
اچھی گزری ہے۔ اس جیسی لڑکی کے ساتھ انسان شام تو کیا زندگی بھی گزار سکتا ہے۔ میں تو آج
کل اس سے کافی امپریس ہوں اور اس کا حال مجھ سے بھی برا ہے۔ میرے ایک ڈائیلاگ کے
جواب میں وہ ایسے دس ڈائیلاگ بولتی ہے۔ شاید وہ یہ سمجھ رہی ہے کہ میں اس کے بارے میں
بہت سیریس ہو چکا ہوں اور میں اس کی اس خوش فہمی کو ختم نہیں کرنا چاہتا کم از کم اس وقت تک
تو بالکل نہیں جب تک مجھے کالج میں کوئی اور اچھا چیلنج نہیں مل جاتا کیونکہ اس وقت تک گھومنے
پھرنے کے لیے کالج میں اسمارہ سے زیادہ آئیڈیل کوئی لڑکی نہیں ہے۔ آج پارٹی میں اسامہ
نے مجھ سے کہا تھا۔

"یار زندگی تو تم گزار رہے ہو۔ ایک سے ایک لڑکی کو پھانسا ہوا ہے۔"

مجھے اس کی بات بہت بری لگی، اس لیے میں نے اسے کہا تھا "مائنڈ یور لینگویج
اسامہ میں نے کسی کو نہیں پھانسا۔ میں صرف لڑکیوں کی کمپنی کو انجوائے کرتا ہوں جسے تم فلرٹ
کرنا بھی کہہ سکتے ہو اور بس ہم کوئی ٹین ایجر تو نہیں ہیں جو بے وقوف بن جائیں، یہ بہت
میچور لڑکیاں ہیں اور یہ تو خود انجوائے منٹ کے لیے بوائے فرینڈز بناتی ہیں، انہیں اچھی طرح
پتا ہوتا ہے کہ کون کس حد تک سیریس ہے اور جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں ان افیئرز کو دل کا
روگ نہیں بناتا ویسے تم خود جتنے شریف ہو وہ بھی میں جانتا ہوں۔"

میں نے کافی سنجیدگی سے اس کی کھنچائی کی تھی وہ جھینپ کر ہنسنے لگا تھا۔

میرے خیال میں آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ مجھے آج کچھ زیادہ ہی نیند آرہی
ہے۔ سو مائی سویٹ ڈائری اب تم بھی سو جاؤ۔

13 دسمبر

پتا نہیں کبھی کبھی میں خود کو کنٹرول کیوں نہیں کر پاتی کیا تھا اگر آج میں خود پر قابو رکھتی لیکن میں ہمیشہ غلطی کر کے پچھتانے والوں میں سے ہوں۔

کالج میں زارون کے ساتھ ہونے والی اس پہلی جھڑپ کے بعد میں نے خود کو کافی سنجیدہ کر رکھا تھا لیکن پچھلے ایک ہفتہ سے اس کا رویہ بہت تضحیک آمیز ہو گیا تھا تقریباً ہر کلاس میں وہ ایسے موضوع پر بحث شروع کر دیتا جس پر میں بولوں اور ہر اس پوائنٹ پر اختلاف کرتا جسے میں پیش کرتی میں ہر دفعہ اسے نظر انداز کرتی رہی لیکن آج میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

آج سر ابرار پاکستان کی فارن پالیسی کے بارے میں کچھ پوائنٹس ڈسکس کر رہے تھے اور کلاس کو اس پر ریمارکس دینے کے لیے کہہ رہے تھے۔ جب تبصرہ کرنے کے لیے میری باری آئی تو میں نے کہا۔

"مغربی ممالک کے ساتھ ہمیں اچھے تعلقات رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے لیکن ملکی مفادات کی قیمت پر نہیں کیونکہ آج کی دنیا میں تو ہم سے کمزور ممالک بھی اچھے تعلقات کے لیے اپنے مفادات کا سودا نہیں کرتے، سو ہمیں بھی کسی کے سامنے نہیں جھکنا چاہیے اور ملکی مفادات پر سودا کرنے کے بجائے ایسے ہی سرد و گرم تعلقات ٹھیک ہیں۔"

خلاف توقع میری بات پر زارون جنید نے کچھ نہیں کیا پھر اچانک سر ابرار کو پتا نہیں کیا خیال آیا اور انہوں نے کلاس سے پوچھا کہ کون سے اسٹوڈنٹس فارن سروس میں جانا چاہتے ہیں۔ جن چند لوگوں نے ہاتھ کھڑا کیا تھا، ان میں زارون جنید بھی شامل تھا، سر ابرار نے مسکرا کر زارون کو دیکھا اور پوچھا۔

"زارون! آپ فارن سروس میں کیوں جانا چاہتے ہیں۔؟"

اس نے فوراً ہی کہنا شروع کر دیا تھا۔ "سب سے بنیادی وجہ تو یہ ہے کہ اس میں مستقبل بہت روشن اور محفوظ ہوتا ہے پھر یہ پروفیشن بہت گلیمرس اور چیلنجنگ ہے اور پھر آپ اس پوزیشن میں ہوتے ہیں کہ ملک کے لیے کچھ کر سکیں۔"

مجھے اس کا جواب بہت فارمل سا لگا وہی ملک کے لیے کچھ کرنے کے رٹے جملے۔

"اچھا زارون! اگر آپ فارن سروس جوائن کر لیتے ہیں تو آپ کن ممالک کے ساتھ تعلقات بہتر کرنے کی کوشش کریں گے اور کیوں؟"

وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر اپنے مخصوص انداز میں بولنے لگا۔

ویسے تو ایک ڈپلومیٹ کا کام ہی یہی ہوتا ہے کہ وہ ہر ملک کے ساتھ اچھے تعلقات
رکھنے کی کوشش کرے لیکن مغربی ممالک کے ساتھ خاص طور پر ہمارے تعلقات اچھے ہونے
چاہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہماری اکانومی امریکہ اور یورپ سے ملنے والے قرضوں پر
کھڑی ہے پھر ہم ان ملکوں کو ناراض کیسے کر سکتے ہیں۔ ان کی مدد کے بغیر ہم اپنے آپ کو کیسے
قائم رکھیں گے ایک سوئی تک تو ہم بنا نہیں سکتے اور بات کرتے ہیں قومی مفادات پر سودا نہ
کرنے کی۔"

اس کا اشارہ واضح طور پر میری طرف تھا۔

"ایسے دعوے وہی قوم افورڈ کر سکتی ہے جو قربانی دینا جانتی ہو ہمارے یہاں تو
اگر گوشت کی قیمت بڑھ جائے تو اسے کنٹرول کرنے کے لیے ہم صرف دو دن بھی گوشت کھانا
نہیں چھوڑ سکتے۔ ہاں اگر معاملہ صرف نعرے لگانے کا ہو تو وہ ہم بڑے شوق سے لگاتے ہیں
بلکہ وہاں بھی لگاتے ہیں جہاں اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ ہم ایک نعرہ باز اور
کرپٹ قوم ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ہم فارن پالیسی کو باڑہ مارکیٹ جیسی جگہ پر بھی زیر
بحث لانے سے نہیں چوکتے۔ ایک پاکستانی کے لیے تو یہ بات ہی بڑی حساس ہے کہ اسے
فارن پالیسی جیسے مسئلے پر بحث کرنے کا موقع مل رہا ہے اور پھر ہم جوش میں آجاتے ہیں اور
افسوس کی بات یہی ہے کہ ہمیں ان چیزوں پر جوش آتا ہے جن پر ہمیں ہوش سے کام لینا
چاہیے۔ جیسے ابھی محترمہ کشف فرما رہی تھیں کہ قومی مفادات پر سودے کے بغیر اگر اچھے تعلقات
قائم ہوتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ جیسے تعلقات ہیں ایسے ہی رہنے دیں۔ تو محترمہ اگر صرف
امریکہ ہی ہمارے ساتھ پوری ٹریڈ نہیں صرف ہمارا کاٹن ایکسپورٹ کا کوٹا ختم کر دے تو ہمارا
ملک ایک ہفتہ بھی نہیں چل سکتا۔ ہم امداد پر زندہ رہنے والی قوم ہیں اور امداد پر زندہ رہنے والی
قومیں ہر چیز کا سودا کرنے پر مجبور ہوتی ہیں وہ قومی مفادات ہوں یا پھر ذاتی مفادات ویسے بھی
اگر عام زندگی میں بھی آپ دیکھیں تو ہر شخص امریکہ یا یورپ جانے پر تیار ہوتا ہے چاہے اس
کے لیے انہیں کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے اس لیے میرے خیال میں فارن پالیسی پر اس قسم
کے احمقانہ بیانات کی گنجائش نہیں ہوتی جیسے بیان کچھ دیر پہلے محترمہ کشف دے رہی تھیں۔"

پوری گفتگو میں اس کا لہجہ اس قدر ہتک آمیز تھا کہ میں چپ نہیں رہ سکی۔

"سب سے پہلی بات یہ ہے کہ میں یہاں فارن پالیسی نہیں بنا رہی ہوں جو
میرے خیالات کا اثر اس پر ہوگا۔ وہ میرے ذاتی خیالات تھے اور ہر ایک کو اپنی مرضی سے

بولنے کی اجازت ہوتی ہے ہاں مگر آپ کے الزامات کا جواب میں ضرور دینا چاہوں گی۔"

پھر میں اس کے نام نہاد دلائل کے پرخچے اڑاتی چلی گئی۔ اس نے دو تین بار مجھے روکنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہیں ہوا۔ میں جانتی ہوں کہ اس نے کافی انسلٹ محسوس کی تھی۔ میں کلاس کے دوران تو اس کے تاثرات نہیں دیکھ پائی کیونکہ وہ مجھ سے کافی فاصلے پر تھا لیکن سر ابرار کے کلاس سے نکلنے کے فوراً بعد وہ میرے پاس آیا تھا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور وہ یقیناً مجھ سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن پھر چند لمحوں کے بعد میرے برابر والی کرسی کو ٹھوکر مارتے ہوئے باہر چلا گیا اور میں نے سکون کا سانس لیا ورنہ جس وقت وہ میرے پاس آ کر کھڑا ہوا تھا تب میرا سانس حلق میں اٹک گیا تھا کہ پتا نہیں وہ کیا کرنے والا ہے اور اپنے ہاتھوں کی لرزش کو چھپانے کے لیے میں نے فائل میں رکھے ہوئے کاغذات کو الٹنا پلٹنا شروع کر دیا تھا۔ میں اس پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ میں اس سے خوفزدہ ہوں۔ لیکن بہرحال آج میں واقعی اس سے ڈر گئی تھی، جس وقت میں کلاس میں اس پر تنقید کر رہی تھی تب میں نے ہرگز یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ میری باتوں کو اتنا سنجیدگی سے لے گا، آخر اس نے بھی تو مجھ پر تنقید کی تھی، لیکن میں نے تو اس جیسے ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن یہاں پر ہی تو پیسے کا فرق آ جاتا ہے۔ شاید جن لوگوں کے پاس روپیہ ہوتا ہے ان کی انا اسی طرح ہرٹ ہوتی ہے اور میرے جیسے لوگوں کی تو کوئی انا ہوتی ہی نہیں شاید اس کا غصہ ٹھیک ہی ہے۔

31 دسمبر

آج زندگی میں پہلی بار کالج جا کر پچھتا رہا ہوں اگر میں جانتا کہ آج میرے ساتھ

یہ سب ہوگا تو میں کبھی کالج نہ جاتا۔

وہ ایک عام سی لڑکی پھر بھی مجھ سے بہتر ہے وہ مجھ سے خوفزدہ کیوں نہیں

ہوتی؟ وہ اپنی زبان بند کیوں نہیں رکھتی؟ مجھے زندگی میں شکست سے نفرت ہے اور وہ مجھے

مسلسل شکست دے رہی ہے ایسا کیا ہے اس میں کہ میرا ہر داؤ غلط ہو جاتا ہے ہر وار ا

پڑتا ہے۔

پچھلے کئی دنوں سے میں اسے ہر کلاس میں چھیڑ رہا تھا تاکہ وہ کوئی بات کرے ا

مجھے اس کی انسلٹ کرنے کا موقع ملے اور بالآخر آج وہ موقع مل ہی گیا تھا۔ اس کے فا

پالیسی کے بارے میں خیالات سن کر مجھے خاص تسلی ہوئی کہ میں اسے اچھی طرح جھاڑ سکو

اور سر ابرار نے مجھے ایسا کرنے کا نادر موقع فراہم کر ہی دیا۔ میں نے اس موقع سے پورا فا

اٹھایا لیکن میری بات ختم ہوتے ہی اس نے سر ابرار سے اجازت لے کر بولنا شروع کر دیا۔
اپنی بات کے آغاز میں ہی اس نے کہا۔
"یہ زارون صاحب فرما رہے تھے کہ یہ فارن سروس میں اس لیے جانا چاہتے ہیں تا کہ یہ ملک کے لیے کچھ کر سکیں۔ ملک کی جو خدمت یہ کریں گے وہ تو ان کے پاکستانی قوم کے بارے میں خیالات سے ہی ظاہر ہوتی ہے۔"
میں اس کی بات پر بری طرح تلملایا تھا۔
"یہ امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک سے اس لیے اچھے تعلقات چاہتے ہیں کیونکہ وہ ہمیں امداد دیتے ہیں اور اس لیے ان کا خیال ہے کہ قومی مفادات کا سودا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ان کے بقول اس امداد پر ہی یہ ملک چل رہا ہے سو ایسی قوم کی کوئی عزت نفس نہیں ہونی چاہیے میں ان کی بات سے پوری طرح اتفاق کرتی ہوں کہ مغربی ممالک ہمیں امداد دیتے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ وہ یہ امداد کس کو دیتے ہیں اس ملک میں دو کلاسیں ہیں اٹھانوے فی صد اکثریت والی لوئر کلاس اور دو فی صد اقلیت والی اپر کلاس۔ جو امداد ہمیں باہر سے ملتی ہے وہ دراصل اس دو فی صد کلاس کے کام آتی ہے اس کلاس میں بڑے بڑے بیوروکریٹ، صنعت کار اور سیاست دان شامل ہیں، اور زارون بھی اسی کلاس کے ایک فرد ہیں بیرونی امداد اسی کلاس میں بینک کے قرضے اور کرپشن کے ذریعے تقسیم ہوتی ہے اور ملکی مفادات کا سودا نہ کرنے کی صورت میں اگر امداد بند ہوتی ہے تو اسی کلاس کے مفادات متاثر ہوں گے، سو اس کلاس کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے آپ امداد بند ہونے کی صورت میں زارون جنید صاحب کی پریشانی سمجھ سکتے ہیں۔"
"آپ ذاتیات پر اتر رہی ہیں۔" میں نے تلملا کر اس کی بات کاٹ دی تھی میرے لیے اس سے زیادہ برداشت کرنا ناممکن تھا اور مجھے یہ ڈر تھا کہ اگر اب میں نے اسے نہ ٹوکا تو وہ میرے رہے سہے امیج کو بھی تباہ کر دے گی لیکن میں نے اسے جتنی بلند آواز میں ٹوکا تھا اس کی آواز جواباً مجھ سے بھی بلند تھی، اس کے اطمینان اور یکسوئی میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوئی تھی۔
"میں ذاتیات پر حملہ نہیں کر رہی ہوں۔ کیا آپ اس بات سے انکار کر رہے ہیں کہ آپ ایک صنعت کار کے بیٹے ہیں۔"
"میں اس بات کو کب انکار کر رہا ہوں کہ میں ایک صنعت کار کا بیٹا ہوں۔" میں اس کی بات پر بھڑک اٹھا تھا۔

"جب آپ اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں تو آپ کو اعتراض کس چیز پر ہے کیا یہ بات درست نہیں ہے کہ بیرونی امداد کا بڑا حصہ اپر کلاس بینک قرضوں کی صورت میں لیتی ہے۔"

"ہم جو روپیہ قرضوں کی صورت لیتے ہیں، اسے سود کے ساتھ واپس بھی کرتے ہیں۔" مجھے اس پر بے تحاشہ غصہ آرہا تھا۔

"مجھے اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ آپ وہ روپیہ واپس نہیں کرتے ضرور کرتے ہوں گے، میں تو صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ وہ امداد صرف آپ لوگ استعمال کرتے ہیں، صرف دو فی صد اپر کلاس۔ اٹھانوے فی صد لوئر کلاس نہیں کیا آپ اب بھی اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے اپنے اس اعتراف کے بعد بھی کہ آپ وہ امداد استعمال کرتے ہیں۔"

فوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اس کی بات کا کیا جواب دوں، آخری کوشش کے طور پر میں نے سر ابرار سے کہا۔

"سر! آپ اسے روک کیوں نہیں رہے۔؟"

"اس کا جواب بھی میں ہی آپ کو دیتی ہوں کہ سر ابرار مجھے کیوں نہیں روک رہے کیونکہ آپ نے ہمیں کرپٹ قوم کہا ہے اور میرے اور پوری کلاس کے ساتھ ساتھ سر ابرار کے جذبات بھی بری طرح مجروح ہوئے ہیں۔"

وہ سر ابرار کے بولنے سے پہلے ہی بول اٹھی تھی۔ سر ابرار کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی، وہ ایڈیٹ بڑی چالاکی سے بول رہی تھی۔

"زارون! میں نے آپ کو بھی بولنے سے نہیں روکا تھا، آپ نے بھی اپنی بات مکمل کی تھی، اب دوسروں کو بھی کرنے دیں۔"

میں خاموش ہو گیا، میری اپنی بڑھائی ہوئی بات میرے گلے میں پھندے کی طرح اٹک گئی تھی۔ سر ابرار کی طرف سے بات جاری رکھنے کا سگنل ملتے ہی وہ پھر شروع ہو گئی تھی۔

"سو جب ہم لوگوں کو اس امداد میں کچھ ملتا ہی نہیں تو ہم پھر کس چیز کے لیے اپنی آزادی اور خود مختاری کا سودا کرتے پھریں۔ انہوں نے کہا کہ ہم ابھی تک سوئی تک نہیں بنا سکتے اگر ایسا ہے تو اس میں ہمارا قصور کیا ہے؟ یہ لوگ بنائیں سوئی کیونکہ یہ لوگ فیکٹریز لگاتے ہیں ہم لوگ نہیں ہم لوگوں کے پاس تو فیکٹری لگانے کے لیے روپیہ ہی نہیں ہوتا زارون صاحب نے فرمایا ہے کہ ہم لوگ دو دن گوشت کھانا نہیں چھوڑ سکتے تو اس ملک کی اٹھانوے

فیصد آبادی گوشت کھاتی کہاں ہے جو وہ اسے کھانا چھوڑ دے۔ ان کو تو دال مل جائے تو وہ شکر
کرتی ہے گوشت کے چونچلے تو اسی دو فیصد کلاس نے پالے ہوئے ہیں۔ زارون صاحب نے
فرمایا کہ ہم نعرہ باز اور کرپٹ قوم ہیں۔ مجھے یہ صرف ایک ایسے ملک کا نام بتا دیں جہاں
کرپشن سرے سے ہوتی ہی نہیں جس امریکہ کے یہ گن گاتے ہیں کیا وہاں کرپشن نہیں ہوتی؟
ہاں ٹھیک ہے پاکستان میں بھی کرپشن ہوتی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ وہ اٹھانوے فیصد کلاس
دو روپے کی کرپشن کرتی ہے اور وہ دو فیصد کلاس کروڑوں کی اگر وہ اٹھانوے فیصد کلاس کرپشن
چھوڑ بھی دے تو کیا یہ دو فیصد کلاس چھوڑ سکتی ہے؟"

اس کا لہجہ بے حد تلخ تھا اور میرے لیے کچھ بولنا دشوار تھا۔

"زارون صاحب کو یہ افسوس ہے کہ فارن پالیسی باڑہ مارکیٹ میں ڈسکس ہوتی
ہے۔ فارن پالیسی سبزی منڈی میں بھی ڈسکس ہوگی بلکہ ہر اس جگہ ہوگی جہاں وہ اٹھانوے فی
صد لوگ رہتے ہیں انہیں بات کرنے کا حق کیوں نہیں؟ کیا وہ دوسرے درجے کے شہری ہیں۔
یہ جس امریکہ کی مثال دے رہے تھے وہاں پر تو کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ فارن پالیسی پر عام
لوگ بات نہ کریں وہاں تو Opinion پولز کے ذریعے ان کی رائے جان کر ہر پالیسی تشکیل
دی جاتی ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ اگر امریکہ ہمارا کاٹن ایکسپورٹ کا کوٹہ ختم کر دے تو
ہماری معیشت ختم ہو جائے گی، امریکہ ایسا کرنا چاہتا ہے تو ضرور کرے کیونکہ اس اقدام سے
بھی اسی دو فیصد اپر کلاس کو نقصان پہنچے گا۔ ان کی فیکٹریز بند ہوں گی۔ انہیں کے فارن ٹورز ختم
ہوں گے وہ اٹھانوے فیصد لوگ تو پہلے بھی زندگی گزار رہے تھے تب بھی گزار لیں گے
صرف یہ فرق آئے گا کہ پہلے وہ سالن کے ساتھ روٹی کھاتے تھے تب اچار یا چٹنی کے ساتھ
کھانا پڑے گی تو یہ ان کے لیے کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کا سالن بھی چٹنی سے
بہتر نہیں ہوتا۔

ویسے اگر امریکہ ہمارا کاٹن ایکسپورٹ کا ٹھیکہ ختم کر بھی دے تو کیا ہم پہلے لوگ
ہوں گے جن کے ساتھ وہ یہ سلوک کرے گا کیا پہلے اس نے کبھی کسی کے ساتھ ایسا نہیں کیا اور
جن کے ساتھ اس نے ایسا کیا ہے کیا وہ ملک ختم ہو گئے ہیں؟ جی نہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ ویت
نام کا بھی تو بائیکاٹ کیا ہوا ہے اس نے۔ مگر کیا وہ ملک ختم ہو گیا ہے اگر زارون صاحب کی نظر
اکنامک افیئرز پر رہتی ہو تو انہیں معلوم ہوگا کہ ویت نام کی اکانومی تیز ترین ترقی کرنے والی
اکانومی میں سے ایک ہے اور امریکہ کے اپنے سرمایہ کار گورنمنٹ کو پریشرائز کر رہے ہیں کہ وہ

بھی اس بائیکاٹ کو ختم کر دے اور امریکہ نے تو چائنا کا بھی بائیکاٹ کیا ہوا تھا کیا چائنا ختم ہو گیا ہے۔ جی نہیں ایسا نہیں ہوا بلکہ امریکہ اب چائنا کے ساتھ روابط استوار کرنے کے چکر میں ہے اور اس سلسلے میں وہ اپنی مدد کے لیے بقول آپ کے کرپٹ پاکستان کی مدد طلب کر رہا ہے انہوں نے کہا تھا کہ ہر پاکستانی امریکہ جانے کے چکر میں ہوتا ہے تو اس میں بری بات کیا ہے؟ ہر ایک کو حق ہوتا ہے کہ وہ بہتر سے بہتر کے لیے جدوجہد کرے پھر جو پاکستانی امریکہ پہنچ جاتے ہیں۔ وہ وہاں جا کر بھی زرمبادلہ پاکستان ہی بھیجتے ہیں، ان کی کلاس کی طرح فارن اکاؤنٹس نہیں کھلواتے انہوں نے میرے خیالات کو اس لیے احمقانہ قرار دیا کیونکہ وہ ان کی طرح پر دامریکن نہیں تھے ان کی اپنی سوچ آزاد زمین پر رہتے ہوئے بھی غلامانہ ہے ان کے لیے تو بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

کلاس میں چھائی ہوئی خاموشی اس کے شعر پر ملنے والی داد سے ٹوٹی تھی۔ میں بالکل ساکت اور خاموش تھا کیونکہ کہنے یا کرنے کے لیے اس وقت میرے پاس کچھ تھا ہی نہیں، سر ابرار نے اس سے کہا تھا ''کشف! میں آپ کے نظریات کی تائید کرتا ہوں کیونکہ وہ ٹھوس حقائق پر مبنی ہیں۔''

میں جیسے جہنم میں دہک اٹھا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ اس کے بعد کلاس میں کس نے کیا کہا ہاں سر ابرار کے کلاس سے نکلنے کے بعد میں سیدھا اس کے پاس آیا تھا، جی تو میرا یہ چاہ رہا تھا کہ اسے کرسی سمیت اٹھا کر باہر پھینک دوں لیکن پھر بھی میں نے خود کو سنبھال لیا اور اس کے پاس رکھی ہوئی کرسی کو ٹھوکر مارتا ہوا باہر نکل گیا۔ میں کلاس سے نکلنے کے بعد سیدھا سر ابرار کے کمرے میں پہنچا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ حیران نہیں ہوئے شاید وہ بھی میری آمد کی توقع کر رہے تھے۔

''آپ میرے ساتھ اچھا نہیں کر رہے ہیں۔'' میں نے جاتے ہی ان سے کہا تھا۔

''مثلاً کیا اچھا نہیں کر رہا؟'' مجھے ان کے اطمینان پر مزید غصہ آیا۔

''آپ اسے مجھ سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اسے کچھ بھی کہنے سے نہیں روکتے اور میری ٹھیک بات کو بھی کاٹ دیتے ہیں پھر ہر بات پر اس کی تعریف کرتے ہیں چاہے وہ کتنی ہی عام سی بات کیوں نہ ہو لیکن میری تعریف آپ کبھی نہیں کرتے۔''

"کیا تم اس سے جیلس ہو رہے ہو؟" سر ابرار کا سوال مجھے تپا گیا تھا۔
میں تقریباً چلا اٹھا تھا "ہے کیا اس میں کہ میں اس سے جیلس ہوں گا کیا اس لیے
کہ اس کی شکل مجھ سے اچھی ہے یا اسٹیٹس مجھ سے بہتر ہے یا پھر اس کا اکیڈمک ریکارڈ مجھ
سے بہتر ہے، آخر کون سی چیز ہے جس میں وہ میرے پاسنگ ہے پھر بھی آپ پوچھ رہے ہیں
کہ کیا میں اس سے جیلس ہو رہا ہوں۔"
"ہاں، وہ کسی بھی چیز میں تمہارے پاسنگ نہیں ہے پھر بھی وہ تمہیں لاجواب کر
دیتی ہے بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ تمہارا حشر نشر کر دیتی ہے۔"
سر ابرار اسی اطمینان سے باتیں کر رہے تھے اور ان باتوں پر میرا بلڈ پریشر ہائی ہوتا
جا رہا تھا۔
"صرف آپ کی کلاس میں وہ اتنی بکواس کرتی ہے، کسی اور جگہ نہیں بولتی۔" میری
آواز بہت بلند تھی اس لیے سر ابرار کے تیور یک دم بدل گئے تھے۔
"بی ہیو یور سیلف۔ تم کسی کباڑی کی دکان پر نہیں کھڑے ہو جو اس انداز میں بات
کر رہے ہو پچھلے پانچ منٹ سے میں تمہاری بکواس سن رہا ہوں تم کیا چاہتے ہو کہ میں تمہیں گود
میں لے کر کلاس میں بیٹھا کروں، میں تمہارا پروفیسر ہوں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔"
ان کے لہجے میں آنے والی تبدیلی نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی۔ "آپ میرے
پروفیسر ہیں اور کچھ نہیں تو آج سے پہلے آپ نے یہ بات مجھے کیوں نہیں بتائی، صرف اس
ایک لڑکی کے لیے آپ مجھے یہ کہہ رہے ہیں، اگر میں نے آپ کو صرف ایک پروفیسر ہی سمجھا
ہوتا تو کبھی آپ کے رویے کی شکایت کرنے نہ آتا کیونکہ کسی بھی ٹیچر کے اچھے یا برے رویے
کا میری ذات پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی مجھے ان سے کوئی توقع ہے مگر بات تو آپ کی ہو
رہی ہے، صرف آپ کی۔"
"بیٹھ جاؤ زارون! زیادہ جذباتی مت بنو۔" میری لمبی تقریر کے جواب میں انہوں
نے صرف ایک جملہ کہا تھا۔
"میں تب تک یہاں نہیں بیٹھوں گا جب تک آپ اپنا رویہ نہیں بدلتے۔"
"بیٹھ جاؤ اور زیادہ ڈرامہ مت کرو۔" اس بار انہوں نے مجھے جھڑک دیا اور میں
خاموشی سے کرسی کھینچ کر ان کے سامنے بیٹھ گیا۔
"دیکھو زارون! تم مجھے جس قدر عزیز ہو، کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ مجھے تم سے بہت

محبت ہے۔ اس لیے نہیں کہ تم میرے بہترین دوست کے بیٹے ہو صرف اس لیے کیونکہ تم شروع سے ہی میرے بہت قریب رہے ہو، میرا اپنا کوئی بیٹا نہیں ہے اور میں نے ہمیشہ تمہیں اپنا بیٹا ہی سمجھا ہے میں اگر اس قسم کا رویہ تمہارے ساتھ رکھ رہا ہوں تو صرف اس لیے کہ تم اپنے آپ پر تنقید برداشت نہیں کرتے اور زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے تنقید برداشت کرنا بے حد ضروری ہے اور ویسے بھی تمہیں تعریف کی ضرورت ہی کیا ہے تم جس حد تک مکمل ہو تم اچھی طرح جانتے ہو لیکن کشف کو تعریف کی ضرورت ہے۔ میں اس کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتا، لیکن وہ بہت سی مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے یہاں پڑھ رہی ہے اس میں بہت ٹیلنٹ ہے لیکن وہ اس سے بے خبر ہے۔ تھوڑی سی حوصلہ افزائی اسے سنوار سکتی ہے میں چاہتا ہوں، وہ اپنی ساری توجہ تعلیم پر ہی رکھے۔ یہاں کے خراب ماحول کی بھینٹ نہ چڑھے وہ بہت معصوم ہے۔ چاہے کبھی کبھار وہ مجھے ایک ننھے سے چکن کی طرح لگتی ہے۔"

"وہ ننھا سا چکن نہیں، چکن پاکس ہے۔ آپ نے اسے بولتے دیکھا ہے ایسے بات کر رہی تھی جیسے مجھے تو دس سال پہلے پھانسی دے دینی چاہیے تھی۔"

میں سر ابرار کی بات پر غصہ سے تلملا اٹھا لیکن وہ ہنسنے لگے۔

"تم پر میری کس بات کا اثر نہیں ہوتا۔ تم ناقابل اصلاح" آئندہ اس قسم کی فضول باتوں کے لیے میرے پاس مت آنا۔"

میں اگرچہ کافی ناراض ہو کر ان کے پاس سے آیا تھا لیکن ان کی باتوں نے مجھے میرے کام کی بات بتا دی تھی۔ سر ابرار یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک بڑی معصوم اور پاک باز لڑکی ہے جسے ابھی کالج کی ہوا تک نہیں لگی، حالانکہ انہیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسے ابھی کالج آئے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ بھی کالج کے رنگ میں رنگ جائے گی کیونکہ نہ تو وہ کوئی فرشتہ ہے اور نہ آسمان سے نازل ہوئی ہے میں اس کے امیج کو اس طرح خراب کر دوں گا کہ اس کی معصومیت کا تاثر ختم ہو جائے گا پھر میں دیکھوں گا کہ سر ابرار اسے کتنی اہمیت دیتے ہیں۔ آج تک میں نے کسی عام شکل و صورت کی لڑکی کے ساتھ افیئر نہیں چلایا اب میرا یہ ریکارڈ بھی ٹوٹ جائے گا، ایک بات میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ میرے لیے سب سے آسان شکار ثابت ہو گی کیونکہ اس جیسی مڈل کلاس کی لڑکیاں تو ہم جیسے لڑکوں کی چند مسکراہٹوں سے ہی متاثر ہو جاتی ہیں اور ہماری طرف سے ملنے والے چند تحائف انہیں غلط فہمی میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ ہم ان کے عشق میں گرفتار ہو گئے ہیں اور شادی کر کے انہیں

کلاس میں لے آئیں گے۔ مجھے بھی دیکھنا ہے کہ مڈل کلاس کی یہ لڑکی میری پیش قدمی پر کس قدر مزاحمت کر سکتی ہے، آخر تو وہ پھنس ہی جائے گی۔ میں جانتا ہوں۔

.....۞.....

26 فروری

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ زارون مجھ پر اس قدر مہربان کیوں ہوتا جارہا ہے، اس کا رویہ میرے ساتھ ایوریج سے زیادہ ہے اور ایسے رویے بہت جلد اسکینڈلز کی صورت میں سامنے آجاتے ہیں اور وہ تو ویسے بھی ان معاملات میں مشہور ہے۔ پورے کالج میں اس کے افیئرز کا چرچا ہے اور اس کی ان مہربانیوں سے میرا امیج بھی تباہ ہو جائے گا لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اسے کیسے روکوں۔

اس کے رویے میں یہ تبدیلی اس دن کے بعد سے آئی ہے جب سر ابرار کی کلاس میں اس سے میری بحث ہوئی تھی، اس واقعہ کے دوسرے دن اس نے مجھ سے معذرت کی تھی، اور میں بہت خوش ہوئی تھی کہ چلو اسے اپنے رویے کا احساس تو ہوا لیکن میری چھٹی حس نے مجھے خبردار کیا تھا کہ اب مجھے کسی نئی مصیبت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ میں اس کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتی لیکن کالج میں وہ بہت اکھڑ اور کھردرا مشہور ہے، اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کسی ایرے غیرے کو گھاس نہیں ڈالتا اور نہ ہی ہر کسی سے معذرت کرتا پھرتا ہے لیکن میں تو اب اس سے تنگ آگئی ہوں، وہ کالج میں کہیں بھی مجھے دیکھے تو وش کیے بغیر نہیں گزرتا کلاس میں بھی اب وہ مجھ سے اختلاف نہیں کرتا اور میری جان عذاب میں ہے کیونکہ یہ سب لوگوں کی نظروں میں آرہا ہے۔

کل فرزانہ نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا۔

"کشف! زارون آج کل تم پر بہت مہربان ہو رہا ہے ورنہ پہلے تو تم دونوں کی آپس میں بنتی نہیں تھی۔"

اس کی اس بات پر ایک لمحہ کے لیے تو میں چکرا گئی تھی لیکن بظاہر بڑی لاپرواہی سے میں نے کہا۔

"فرزانہ! مجھے اس کی مہربانی یا برہمی سے کوئی غرض نہیں ہے اگر وہ پھر پہلے کی طرح کلاس میں احمقانہ باتیں کرے گا تو میں پھر اختلاف کروں گی اور میں نہیں سمجھتی کہ وہ اب مجھ پر مہربان ہے۔ میرے خیال میں اب وہ نارمل ہے پہلے وہ ابنارمل تھا میں کلاس کو کبھی بھی گروپس میں بانٹنا نہیں چاہتی تھی لیکن وہ یہی چاہتا تھا۔ مجھے یہاں صرف دو سال گزارنے

ہیں ایک سال تو تقریباً گزر ہی گیا ہے اور دوسرا بھی گزر جائے گا اور ان دو سالوں کے بعد مجھے ان میں سے کسی کا سامنا نہیں کرنا ہے۔"

میں اپنی بات مکمل کر کے کمرے سے نکل گئی تھی۔ میں جانتی تھی یہ ساری باتیں زارون تک ضرور پہنچ جائیں گی کیونکہ وہ ان ہی کے گروپ میں ہوتی تھی اور میں چاہتی بھی یہی تھی کہ وہ یہ باتیں زارون کو ضرور بتا دے، کیونکہ میں واقعی اب اس کے رویے سے بہت خوفزدہ ہوں، کیونکہ چند دن پہلے سر ابرار نے بھی پوچھ لیا تھا کہ اب آپ دونوں پہلے کی طرح بحث کیوں نہیں کرتے؟

اس وقت تو میں نے انہیں یہ کہہ کر ٹال دیا تھا کہ ''سر! اختلافی پوائنٹس سامنے آئیں تو بحث بھی کی جائے فضول کی بحث تو میں کسی کے ساتھ بھی نہیں کرتی۔''

لیکن میں یہ سوچ کر اور پریشان ہو گئی تھی کہ یہ تبدیلی سر ابرار نے بھی نوٹ کر لی ہے اور اب اگر کالج میں ہم دونوں کے بارے میں کوئی افواہ پھیلے گی تو وہ فوراً یقین کر لیں گے اور میں یہ ہرگز نہیں چاہوں گی کہ وہ مجھ سے بدگمان ہوں وہ مجھ سے اتنی شفقت سے پیش آتے ہیں کہ میں تو ان کی بدگمانی برداشت ہی نہیں کر پاؤں گی۔

کل میں ان کی کلاس میں دیر سے پہنچی تھی کیونکہ میرے سر میں صبح سے درد ہو رہا تھا اور پہلی دو کلاسز اٹینڈ کرنے کے بعد تو درد کی شدت میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا، میں نے سوچا کہ اگر چائے کے ساتھ ایک ٹیبلٹ لے لوں تو آرام آ جائے گا لیکن چائے پینے اور ڈیپارٹمنٹ تک واپس آتے ہوئے مجھے اتنی دیر ہو گئی تھی کہ سر ابرار کلاس میں پہنچ چکے تھے۔ سر ابرار لیٹ آنے والوں کو بالکل معاف نہیں کرتے اور اس معاملے میں میں زارون جیسے چہیتے اسٹوڈنٹ کا بھی ان کے ہاتھوں حشر ہوتے ہوئے دیکھ چکی تھی ابھی میں اسی شش و پنج میں تھی کہ کلاس میں جاؤں یا نہ جاؤں کہ سر ابرار نے مجھے دروازے میں کھڑا دیکھ لیا۔ پھر شاید میرا اڑا ہوا رنگ دیکھ کر انہیں ترس آ گیا۔

''کشف! اندر آ جائیں۔ آپ آج کچھ لیٹ ہو گئی ہیں۔''

انہوں نے مجھے بیٹھنے کے لیے کہا اور میں سیٹ کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگی سر ابرار نے خود ہی میری مشکل حل کرتے ہوئے کہا۔

''یہاں بیٹھ جائیں زارون کے برابر سیٹ پر۔'' ان کی آفر پر میرا رنگ دوبارہ فق ہو گیا تھا۔

''سر یہاں؟'' سر ابرار نے کچھ حیران ہو کر مجھے دیکھا۔

"نہیں یہاں وہ کوئی جن بھوت تو نہیں ہے جو آپ کو کھا جائے گا آپ بیٹھ جائیں۔"
لیکن مجھے پھر بھی شش وپنج میں مبتلا دیکھ کر انہوں نے مسکرا کر کہا۔
"گھبرا کیوں رہی ہیں، بھائی ہے آپ کا۔ زارون بہن کو جگہ دیں۔"
ان کی بات پر کلاس میں ہلکی سی کھلکھلاہٹیں ابھری تھیں، زارون نے اس چیئر پر سے اپنی کتابیں اٹھالی تھیں اور میں وہاں جا کر بیٹھ گئی پھر لیکچر نوٹ کرتے وقت میرا قلم چلتے چلتے رکنے لگا تھا میں نے دو تین بار اسے پیپر پر گھسیٹا مگر وہ نہیں چلا اس نے پہلے کہ میں اپنے بیگ سے دوسرا پین نکالتی۔ زارون نے اپنی فائل میں سے ایک پین نکال کر میری فائل پر رکھ دیا تھا۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا مگر وہ لکھنے میں مصروف تھا۔ میں نے وقت ضائع کیے بغیر اس کے دیئے ہوئے قلم سے لکھنا شروع کر دیا تھا کیونکہ سر ابرار بہت تیزی سے بولتے جا رہے تھے۔

لیکچر ختم ہونے کے بعد میں نے شکریہ کے ساتھ اسے پین لوٹا دیا تھا لیکن جتنی دیر وہ پین میرے ہاتھ میں رہا میں عجیب سے احساسات کا شکار رہی وہ پین بہت قیمتی تھا اور بہت خوبصورت لکھائی کر رہا تھا میرے کاغذ پر بال پوائنٹ سے لکھے گئے الفاظ اس سے لکھے گئے لفظوں کی نسبت بہت کمتر اور گھٹیا نظر آ رہے تھے بالکل میری زندگی کی طرح یہ تو صرف زارون جیسے لوگ ہی ہیں جو ایسے پین افورڈ کر سکتے ہیں ہم جیسے نہیں کیا کبھی ایسا ہوگا کہ میں بھی ایسے قلم خرید پاؤں یقیناً نہیں کیونکہ میں اتنی خوش قسمت نہیں ہوں اور خواہشیں صرف خوش قسمت لوگوں کی پوری ہوتی ہیں۔

27 فروری

کل ایک عجیب بات ہوئی، وہ کشف مرتضیٰ میرے پاس بیٹھی تھی، مجھے کافی دنوں سے سر ابرار پر بہت غصہ آ رہا تھا کیونکہ ان کا رویہ کشف کے ساتھ ضرورت سے زیادہ اچھا تھا اسے ہر قسم کی رعایت دیتے رہتے ہیں کل وہ کلاس میں لیٹ آئی تھی اور سر ابرار نے نہ صرف اسے کچھ کہا نہیں بلکہ کلاس میں آنے کی اجازت بھی دے دی اور اگر کبھی میں یا کوئی اور کلاس میں دیر سے آئے تو وہ قیامت اٹھا دیتے ہیں لیکن میرا سارا غصہ اس وقت ختم ہو گیا جب انہوں نے اسے میرے برابر والی چیئر پر بیٹھنے کے لیے کہا، وہ چیئر میں نے اسامہ کے لیے رکھی تھی کیونکہ وہ کسی ڈیپارٹمنٹ کسی سے ملنے گیا تھا، لیکن اس کے واپس آنے سے پہلے ہی سر ابرار

آ گئے تھے۔ پھر وہ نہیں آیا کیونکہ لیٹ آنے پر سر ابرار سے انسلٹ کروانے سے بہتر ہے کہ بندہ کلاس میں آئے ہی نا سر ابرار کے کہنے پر بھی وہ میرے پاس آ کر نہیں بیٹھی پھر جب سر اسرار نے مجھ سے کہا۔

”زاروں! بہن کو جگہ دو“ تو میرے ساتھ ساتھ وہ بھی مسکرائی تھی۔ میں نے اسامہ کی چیئر سے کتابیں اٹھالیں اور وہ وہاں آ کر بیٹھ گئی۔ حیران کن بات یہ ہے کہ میرے اس قدر قریب بیٹھنے پر بھی وہ نروس نہیں تھی ورنہ اکثر لڑکیاں میرے قریب بیٹھنے پر نروس ہو جاتی ہیں اور کچھ نہیں تو لیکچر نوٹ کرتے ہوئے ان کے ہاتھ ہی کانپتے رہتے ہیں اور میں ہمیشہ ان کی گھبراہٹ کو انجوائے کرتا ہوں لیکن اس کے ہاتھوں میں لرزش نہیں تھی۔ بہت سادہ ہاتھ تھے اس کے کسی قسم کی آرائش کے بغیر لیکچر نوٹ کرتے ہوئے اس کا بال پوائنٹ رکنے لگا تھا میں چونکہ اس کی طرف متوجہ تھا اس لیے یہ بات میری نظر میں آ گئی میں نے اپنا پین نکال کر اسے دے دیا جسے لیکچر ختم ہونے کے بعد اس نے شکریے کے ساتھ واپس کر دیا بغیر مجھے دیکھے یا مسکرائے میں اس وقت کا منتظر ہوں جب کشف مرتضیٰ مجھے اب کی طرح نظر انداز نہیں کر پائے گی وہ میرے حوالے سے خواب دیکھے گی اور میرے بغیر اپنے وجود کو ادھورا محسوس کرے گی اور وہ وقت بہت زیادہ دور نہیں ہے۔

❁

24 اکتوبر

آج میرے ایگزامز ختم ہو گئے ہیں اور کل میں گھر جاؤں گی حالانکہ میرا دل گھر جانے کو نہیں چاہتا کیونکہ اس گھر میں اتنی پریشانیاں اور ڈپریشن ہے کہ وہاں کوئی بھی سکون سے نہیں رہ سکتا لیکن پھر بھی مجھے وہاں جانا ضرور ہے حالانکہ وہاں سے واپس آنے کے بعد بہت دنوں تک میں رات کو ٹھیک طرح سے سو نہیں پاؤں گی لیکن میں اپنے بہن بھائیوں سے قطع تعلق بھی تو نہیں کر سکتی، ان کو بالکل نظر انداز کیسے کر سکتی ہوں۔ مجھے ایک دفعہ پھر وہی گھسے پٹے لیکچر ان کے سامنے دہرانے پڑیں گے جنہیں دہراتے دہراتے میں تنگ آ چکی ہوں۔ میں جب بھی یہ سوچتی ہوں کہ میری بہنیں تعلیم کو اتنے سرسری انداز میں کیوں لیتی ہیں تو میں پریشان ہو جاتی ہوں۔ پتا نہیں وہ اس قدر لاپرواہ کیوں ہیں کہ اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتیں۔

اپنے گھر کی خستہ حالی بھی انہیں نہیں احساس دلاتی کہ وہ پڑھیں تا کہ گھر کا بوجھ شیئر کر سکیں۔ ان کی لاپرواہی میری پریشانیوں اور خوف میں اضافہ ہی کرتی جا رہی ہے کیونکہ میں

جانتی ہوں کہ مجھے اکیلے ہی نہ صرف گھر کی کفالت کرنی ہوگی بلکہ ان کی شادیاں بھی کرنی ہوگی اور بھائیوں کو بھی کسی قابل بنانا ہوگا۔ اگر میری بہنیں تعلیم میں کچھ اچھی ہوتیں تو مجھے کافی تسلی رہتی کہ ہم مل کر گھر کا بوجھ اٹھالیں گے لیکن ایسا نہیں ہے۔ بھائی ابھی اتنے چھوٹے ہیں کہ ان کے حوالے سے بھی میں کوئی خواب نہیں دیکھ سکتی اگر خدا نے میرے کندھوں پر اتنی ذمہ داریاں ڈالنا تھیں تو کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ وہ مجھے ایک مرد بناتا پھر بہت سی ایسی مشکلات کا سامنا مجھے نہ کرنا پڑتا جن کا سامنا اب کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن خدا مجھے کوئی آسانی کیوں دیتا اس نے تو بس میری قسمت میں مشکلات ہی رکھی ہیں۔

مجھے ہمیشہ اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ میری بہنیں اس قدر مطمئن کیوں ہیں وہ کون سی چیز ہے جس نے انہیں اس قدر اطمینان سے رکھا ہے کہ وہ محنت نہ بھی کریں تب بھی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے ان کے اطمینان پر غصہ آتا ہے مگر کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ ان کا بھی کیا قصور ہے سارے لوگ میری طرح پاگل تو نہیں ہو سکتے نہ ہی اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ سکتے ہیں وہ اس عمر میں ہیں جب ہر چمکتی چیز سونا لگتی ہے جب کوئی پریشانی بھی انسان کو پریشان نہیں کرتی پھر وہ میرے رشتہ داروں کے بچوں کو دیکھتی ہیں اور وہی چیزیں چاہتی ہیں جو ان کے پاس ہیں اس بات کی پروا کیے بغیر کہ وہ انہیں کبھی حاصل نہیں کر پائیں گی۔

کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ کاش میں کبھی پہلی اولاد نہ ہوتی میری جگہ کوئی اور ہوتا اور میں بھی اپنے بھائی بہنوں کی طرح بے پروا ہوتی۔ پھر مجھے کسی چیز کی فکر نہ ہوتی کیا ہوتی ہے یہ سب سے بڑی اولاد بھی اسے ہر پریشانی اپنے ماں باپ کے ساتھ شیئر کرنی پڑتی ہے وہ نہ کرنا چاہے تب بھی باپ سے توقع کر ہی نہیں سکتے اور ماں سے کریں تو کیا کریں؟ زندگی واقعی فضول ہوتی ہے جانے لوگ اس سے محبت کیسے کرتے ہیں۔

کیا ہمارے گھر میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کے دم سے سب کچھ سنور جاتا سب کچھ ٹھیک ہو جاتا۔ کیا اس گھر کے لوگ اتنے گناہ گار ہیں کہ خدا بھی ان کی کوئی دعا نہیں سنتا اور جو ہم سے اتنا بے خبر ہے کیا وہ واقعی خدا ہے؟

❁

24 اکتوبر

آج آخری پیپر تھا اور میں اتنا تھک چکا تھا کہ گھر آتے ہی سو گیا۔ یہ پیپرز بھی بندے کو بس ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ خیر ماسٹرز کا ایک سال تو ختم ہوا اور اگلا سال میرے لیے بہت مشکل ہے۔ کیونکہ فائنل سمسٹر ہو گا۔ ایک لمبا سلسلہ ہے اسٹڈیز کا۔ خیر ایک پہاڑ تو سر

ہوا۔ پچھلے ایک ماہ سے پیپرز میں اتنا مصروف تھا کہ ڈائری بھی نہیں لکھ پایا اور آج سو کر اٹھتے ہی ڈائری کو ہاتھ میں لیا ہے تو عجیب سی تسلی ہوئی ہے۔ اب دو چار دن تو عیاشی کروں گا، ظاہر ہے اتنی محنت کے بعد یہ تو میرا حق ہے پھر وہی کتابیں ہوں گی اور ہم اب میری ڈیئر ڈائری گڈ بائے باتیں بہت ہیں۔ لیکن پھر کروں گا، کیونکہ ابھی مجھے ڈنر کرنے نیچے جانا ہے۔ پھر ڈنر کے بعد اچھی سی کافی اور شاندار سی فلم سو آج کافی مصروف رہوں گا۔

⊛

6 جنوری

پتا نہیں یہ زارون جنید اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے اگر آپ کے پاس دولت ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ جب چاہیں دوسروں کے جذبات کا خیال کیے بغیر ان کی عزت نفس مجروح کرتے رہیں۔ مجھے ایسے لوگوں سے نفرت ہے جو صرف اپنا روپیہ دکھانے اور دوسروں کو ان کی اوقات جتانے کے لیے انہیں تحفے دیتے ہیں تا کہ وہ آپ سے متاثر ہو جائیں آپ کے آگے پیچھے پھریں اور آپ وقتاً فوقتاً ترس کھا کر اپنی عنایات ان پر تحفوں کی صورت میں نازل کریں۔ مجھے ترس اور بھیک دونوں سے ہی نفرت ہے اگر یہی سب مجھے کرنا ہوتا تو اپنے تعلیمی اخراجات کے لیے محنت کرنا گوارا نہ کرتی بلکہ اپنے رشتہ داروں کے آگے ہاتھ پھیلاتی لیکن جب اس وقت میں نے بھیک قبول نہیں کی تو اب کیسے کرلوں۔

آج کالج میں سر قدیر کی کلاس اٹینڈ کرنے کے بعد ان کا لیکچر ٹھیک کرنے کے لیے لان میں چلی گئی تھی میں نے لیکچر کو ابھی پڑھنا شروع ہی کیا تھا کہ زارون وہاں آ گیا اس کی آمد میرے لیے خلاف توقع تھی کیونکہ وہ کبھی اس طرح اکیلا میرے پاس نہیں آیا تھا۔

''ایکسکیوزمی کشف! میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا۔'' اس نے آتے ہی کہا تھا۔

''نہیں آپ کو کوئی کام ہے مجھ سے؟'' میں نے فائل بند کر کے اسے کہا۔

''نہیں، ایسا کچھ خاص تو نہیں' بس میں آپ کو یہ دینا چاہتا تھا۔'' اس نے دو مختلف سائز کے پیکٹ میری طرف بڑھا دیے۔

''یہ کیا ہے؟'' میں نے پیکٹ پکڑے بغیر اس سے پوچھا۔

''آپ خود کھول کر دیکھ لیں۔''

''آپ خود اگر بتا دیں کہ ان میں کیا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ میں انہیں نہیں کھولوں گی۔''

اسے شاید میری طرف سے ایسے کورے جواب کی توقع نہیں تھی اس لیے کچھ دیر تک

وہ خاموش ہی رہا پھر اس نے کہا۔

"میں چند دنوں کے لیے ہانگ کانگ گیا تھا، واپسی پر اپنے دوستوں کے لیے کچھ تحفے لایا ہوں، اس پیکٹ میں آپ کے لیے چند کتابیں اور پین ہیں اور اس میں کچھ چاکلیٹس۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے کہ آپ اپنے دوستوں کے لیے تحفے لاتے ہیں لیکن میں نہ تو آپ کی دوست ہوں اور نہ ہی میں کسی سے تحفے لیتی ہوں۔" میں نے یہ کہہ کر دوبارہ اپنی فائل کھول لی۔

"آپ مجھے دوست کیوں نہیں سمجھتیں؟" اس نے یک دم پنجوں کے بل بیٹھتے ہوئے مجھ سے پوچھا تھا۔

"میں آپ کو تو کیا یہاں کسی کو بھی اپنا دوست نہیں سمجھتی کیونکہ میں یہاں پڑھنے آئی ہوں دوستیاں کرنے نہیں۔"

مجھے امید تھی کہ اتنے روکھے جواب پر تو وہ چلا ہی جائے گا مگر وہ پھر بھی وہیں رہا۔

"کشف! میں اس کے بدلے میں آپ سے کوئی گفٹ نہیں مانگوں گا۔"

"جب میں آپ کا گفٹ لے ہی نہیں رہی تو دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

مجھے اب اس پر غصہ آنے لگا۔

"آپ میری انسلٹ کر رہی ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ اگر میں ایسا کر رہی ہوں تو مگر میں نہیں سمجھتی کہ کسی سے تحفہ نہ لینا اس کی توہین ہو سکتا ہے اور پھر آپ آخر کیا سوچ کر میرے پاس یہ تحفہ لے کر آئے ہیں۔؟"

میرا لہجہ بتدریج تلخ ہو رہا تھا۔

"آپ یہ چاکلیٹس تو لیں۔ یہ تو میں نے پوری کلاس کو ہی دیے ہیں۔"

"میں جانتی ہوں کہ میں ایسے چاکلیٹس افورڈ نہیں کر سکتی لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ آپ انہیں لینے پر اصرار کر کے مجھے میری حیثیت جتلائیں۔"

"آپ نے میری بات کا غلط مطلب لیا ہے۔" وہ میری بات پر کچھ پریشان نظر آیا تھا۔

"مجھے خوشی ہو گی اگر میں آپ کی بات کا مطلب غلط سمجھی ہوں، تو لیکن اس وقت آپ جائیں اور میرا وقت ضائع نہ کریں۔"

میں نے یہ کہہ کر سامنے رکھے پیپرز کو پڑھنا شروع کر دیا، وہ چند لمحوں کے بعد اٹھ

کر وہاں سے چلا گیا تھا پتا نہیں وہ مجھے یہ تحفہ دے کر کیا ثابت کرنا چاہتا تھا، کیا وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ کیا خرید سکتا ہے اور میں کیا خرید سکتی ہوں مگر میں تو یہ سب پہلے ہی جانتی ہوں پھر مجھے جتانے کی کیا ضرورت ہے مگر شاید جن لوگوں کے پاس دولت ہوتی ہے انہیں یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ شو آف کریں۔ پتا نہیں انہیں کبھی یہ احساس کیوں نہیں ہوتا کہ وہ میرے جیسے کتنے لوگوں کو خواہشات کی صلیبوں تلے دفن کرنے کا باعث بنتے ہیں ہم جو بھوتوں کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

6 جنوری

جن چند لوگوں کے بارے میں میرے اندازے اکثر غلط ہوتے رہتے ہیں، ان میں کشف مرتضیٰ بھی شامل ہے۔ ہر روز اس کا ایک نیا روپ میرے سامنے آتا ہے کبھی بہت خوفزدہ، کبھی خوفزدہ کر دینے والی، کبھی بہت بولڈ اور کبھی بہت بزدل، اس نے اپنے اندر اور باہر دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں لیکن یہ دیواریں کبھی اس جیسی مڈل کلاس لڑکیوں کا تحفظ نہیں کر سکتیں اگر آپ کو تسخیر کرنا آتا ہو تو کوئی بھی لڑکی ناقابل تسخیر نہیں ہوتی وہ بھی نہیں ہے میں جانتا ہوں۔ میں اسے بھی شکست دے لوں گا۔ بس کچھ انتظار کی ضرورت ہے اور وہ میں کر سکتا ہوں۔

11 اپریل

آج میں بہت تھک گئی ہوں پتا نہیں بعض دفعہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ آپ تھک جاتے ہیں حالانکہ آپ نے نہ تو جسمانی مشقت کی ہوتی ہے اور نہ ہی ذہنی، پھر بھی زندگی بیکار لگتی ہے۔ اپنا وجود بوجھ لگتا ہے۔ میرے جیسے لوگوں کے لیے ہر دن ایک جیسا ہوتا ہے ہاں بعض دن زیادہ برے ہوتے ہیں اور بعض کچھ کم۔

زندگی میں آنے والی ہر مصیبت پر میں سوچا کرتی تھی کہ شاید یہ آخری مصیبت ہے اور اس سے بڑی مصیبت مجھ پر نہیں آسکتی لیکن وہ سب ٹھیک نہیں تھا۔ جتنی ذلت آج میں نے محسوس کی ہے دوبارہ کبھی نہیں کر پاؤں گی۔

مجھے پہلے ہی دن زارون اچھا نہیں لگا تھا۔ مجھے ایسا لگتا تھا جیسے مجھے اس سے کوئی نقصان پہنچے گا اور آج ایسا ہی ہوا ہے۔

آج میں کافی جلدی کالج چلی گئی تھی کیونکہ مجھے کچھ نوٹس بنانے تھے اور میں

سوچا کہ لائبریری سے کچھ کتابیں ایشو کروا کر یہ کام کر لوں گی، سو میں نے لائبریری سے کتابیں ایشو کروائیں اور واپس ایک کونے میں بیٹھ کر اپنا کام کرنے لگی، اس کام کو آج ہی ختم کرنے کے لیے میں نے شروع کی۔ چند کلاسز بھی مس کیں۔ اس وقت میں اپنی فائل میں کچھ پوائنٹس کا اضافہ کر رہی تھی جب میں نے زارون کو اپنے گروپ کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے قریب ہی سنا۔ وہ شیلف کے دوسری طرف تھے۔ میں اپنا کام تقریباً ختم کر چکی تھی۔ اس لیے ان کی باتوں سے ڈسٹرب نہیں ہوئی بلکہ غیر ارادی طور پر ان کی باتیں سننے لگی۔

"یہ انگلش ڈیپارٹمنٹ کی نغمہ آج کل بڑے ساتھ ساتھ ہوتی ہے تمہارے، خیر تو ہے۔۔؟"

یہ اسمارہ کی آواز تھی اور میں جواب کی منتظر تھی کہ یہ سوال اس نے کس سے کیا ہے۔

"کم آن یار! تمہیں تو خواب میں بھی میرے ساتھ لڑکیاں ہی نظر آتی ہیں۔ اب بندہ یونیورسٹی میں منہ پر ٹیپ لگا کر تو نہیں پھر سکتا، جب کو ایجوکیشن ہے تو ہیلو ہائے تو ہوتی ہی رہتی ہے۔" میں نے زارون کی آواز کو پہچان لیا۔

"خیر بات صرف ہیلو ہائے ہی رہے تو ٹھیک ہے مگر تم ہیلو ہائے پر بھی لنچ کی دعوت دینے سے نہیں چوکتے کل میں نے تمہیں اس کے ساتھ PC میں دیکھا تھا۔"

"تو اس سے کیا ہوتا ہے۔ میں صرف کل ہی نہیں پرسوں بھی وہاں اس کے ساتھ گیا تھا۔ آخر یہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ آپ کسی لڑکی کے ساتھ لنچ پر نہیں جا سکتے۔" زارون کی آواز جھنجلائی...... ہوئی تھی۔

"چھوڑو یار! تم کن فضول باتوں میں لگ گئے ہو۔ کیا یہاں تم لڑنے کے لیے آئے ہو؟" اس بار فاروق بولا تھا۔

"میں لڑ نہیں رہا بات کلیئر کر رہا ہوں۔ نغمہ کے پاس بہت اچھی کتابیں ہیں اور وہ سی ایس ایس کی تیاری بھی کر رہی ہے۔ مجھے اس سے تھوڑی بہت مدد مل جاتی ہے اور بس اب وہ میری اتنی مدد کر رہی ہے اور میں نے اگر اسے ہوٹل میں لنچ کروا دیا تو اسمارہ کو کیوں اعتراض ہو رہا ہے۔؟"

"چلو نغمہ تو تمہاری مدد کر رہی ہے مگر یہ کشف تمہاری کون سی مدد کر رہی ہے جو تم اس طرح اس کے آگے پیچھے پھر رہے ہو۔"

میں اسمارہ کے منہ سے اپنا نام سن کر بے چین ہو گئی تھی۔ وہ اسمارہ کی بات پر جھنجلائے

"چلو۔ اب تم کشف سے بھی جیلس ہونا شروع ہو گئی ہو۔ کم آن یار! میں اسے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ بن نہیں رہی اور تمہیں خواہ مخواہ غلط فہمی"

"میں اسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں اور نہ ہی جیلس ہو رہی ہوں تم تو کہا کرتے تھے کہ کشف جیسی لڑکیوں سے تو تم بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے پھر چلانا تو دور کی بات ہے اور اب اسے سلام کرتے پھر رہے ہو۔ اس کے پاس سے بات کیے بغیر گزر جاؤ، یہ تو ناممکن ہے اور پھر بھی تم کہہ رہے ہو کہ میں غلط فہمی کا شکار ہوں۔"

میں بالکل ساکت ہو گئی تھی۔ اسامہ کے لہجے میں میرے لیے بہت تلخی تھی۔

"میں نے کب کہا کہ میرا رویہ اس کے ساتھ نہیں بدلا ہے۔ ہاں بدل گیا ہے، لیکن صرف کسی خاص مقصد کے تحت ورنہ میں اس جیسی لڑکی کے بارے میں اب بھی وہی خیالات رکھتا ہوں جو پہلے رکھتا تھا۔ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ وہ کالج میں میری وجہ سے بدنام ہو جائے جتنی نیک نام وہ بنتی ہے میں بس وہ نیک نامی ختم کرنا چاہتا ہوں اور یہ میرے لیے کوئی مشکل کام نہیں اور تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں اس پر عاشق ہو گیا ہوں۔ اس سے شادی وادی کا ارادہ رکھتا ہوں؟ نہیں یار! ایسا نہیں ہے۔ کشف جیسی لڑکیاں ہمارے لیے صرف تفریح ہوتی ہیں، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ میں تو بس سر ابرار کو دکھانا چاہتا ہوں کہ وہ بھی عام سی لڑکی ہے۔ اس میں کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے ہیں اور اس جیسی لڑکیاں کبھی بھی ناقابل تسخیر نہیں ہوتیں بس انہیں پھنسانے میں کچھ وقت لگتا ہے۔"

"مگر زارون! اس کا رویہ تو ابھی ویسا ہی ہے، اس کے رویے میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی۔" اسامہ نے کہا۔

"وہ ابھی وقت لے رہی ہے۔ میں نے کہا ناں مڈل کلاس کی لڑکیوں کو پھنسانے میں وقت لگتا ہے مگر بالآخر وہ پھنس جاتی ہیں۔"

"اچھا اگر وہ تمہاری پلاننگ سمجھ گئی اور تمہارے جال میں نہ پھنسی تو۔؟"

"اسامہ! وہ میری چال کو کبھی نہیں سمجھ پائے گی، ایسا صرف تب ہو سکتا ہے جب تم اسے یہ سب بتا دو اور تم ایسا نہیں کرو گے اور وہ میرے جال میں پھنسے گی کیوں نہیں؟ میرے پاس وہ سب کچھ ہے جس کی ان جیسی لڑکیوں کو تلاش ہوتی ہے۔ امیر ہوں، خوبصورت ہوں برائٹ فیوچر ہے ایک اونچی فیملی سے تعلق رکھتا ہوں اور کشف جیسی لڑکیاں میرے جیسے لڑکوں کے ہی تو پیچھے پھرتی ہیں اس آس میں کہ ان سے شادی کر لیں گے اور وہ انہیں زینہ بنا کر اپر کلاس میں آ جائیں گی۔"

بہت خوش دلی سے کہا گیا اس کا ایک ایک لفظ میرے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اتر رہا تھا وہ سب ہنس رہے تھے اور اسمارہ اس سے کہہ رہی تھی۔

"زارون! اگر تم اس سے فلرٹ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میں تمہیں ڈنر دوں گی ورنہ تم دینا۔"

ایک عورت دوسری عورت کو شکار بنانے کے لیے ایک مرد کو ترغیب دے رہی تھی۔ لائبریری میں بیٹھا ہوا کوئی شخص یہ نہیں جانتا تھا کہ جس کشف کی بات وہ کر رہے تھے وہ میں تھی مگر مجھے لگ رہا تھا جیسے وہاں موجود ہر شخص مجھے ہی دیکھ رہا تھا مجھ ہی پر ہنس رہا تھا، پھر میں نہیں جانتی۔ مجھے کیا ہوا، میں خود پر کنٹرول نہیں رکھ پائی تھی۔ میں خود کو سب کچھ کرتے دیکھ رہی تھی مگر روک نہیں سکتی تھی ایسے جیسے میں کوئی دوسری لڑکی تھی۔ میں نے اپنے فائل بند کی کتابیں اٹھائیں اور لائبریرین کو جا کر واپس کر دیں پھر میں شیلف کے اس طرف آئی تھی جہاں وہ بیٹھے تھے وہ سب اب کتابیں کھولے کچھ کام کر رہے تھے انہوں نے مجھے نہیں دیکھا زارون اپنی فائل کھولے کچھ لکھ رہا تھا اور پھر اس نے سر اٹھا کر فاروق سے کچھ کہا، تب فاروق کی نظر مجھ پر پڑی تھی۔

"کشف! آپ" بے اختیار اس نے کہا تھا۔ پھر ان کا پورا گروپ میری طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ مگر میں صرف زارون کو دیکھ رہی تھی جو میرے یک دم سامنے آنے پر حیران نظر آ رہا تھا۔ میں آہستہ سے چلتی ہوئی اس کے مقابل کھڑی ہوئی پھر میں نے اس کے سامنے رکھے ہوئے پیپرز اٹھائے انہیں پھاڑا اور پوری قوت سے اس کے منہ پر دے مارے۔ وہ یک دم اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا، اس کے چہرے کا سارا اطمینان رخصت ہو گیا تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

"یہ تم جیسے لوگوں کے ساتھ بالکل مناسب سلوک ہے، بدتمیزی انہیں لگنی چاہیے جنہیں خود کوئی تمیز ہو اور تم ان لوگوں کی فہرست میں شامل نہیں ہو۔" اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"میرا مطلب وہی ہے جو تم اچھی طرح سمجھ چکے ہو۔"

مجھے حیرت تھی کہ میں بڑے سکون سے اس سے مخاطب تھی۔ میرے ہاتھ پیروں میں کوئی لرزش تھی نہ آواز میں کپکپاہٹ۔

"تم نے میرے پیپرز کیوں پھاڑے ہیں؟"

''صرف تمہیں یہ بتانے کے لیے کہ تمہاری حیثیت میرے نزدیک ان پیپرز کے برابر بھی نہیں ہے۔ تم کس قدر غیر اہم اور چھوٹے آدمی ہو۔ میں تمہیں یہی بتانے آئی ہوں وہ اور لڑکیاں ہوں گی جو تمہاری تفریح کا سامان کرتی ہوں گی اور وہ بھی اور ہوں گی جو تمہارے آگے پیچھے پھرتی ہوں گی، مگر ان میں سے نہیں ہوں۔ میں یہاں صرف پڑھنے کے لیے آتی ہوں تم جیسوں کو پھانسنے کے لیے نہیں اور تمہیں اپنے بارے میں کیا خوش فہمی ہے؟ کیا ہے تمہارے پاس کہ تم خود کو ان داتا سمجھنے لگے ہو۔ جن چیزوں کو تم چند لمحے پہلے گنوا رہے تھے مجھے ان میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اپنے بارے میں تمہارے خیالات جان کر مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ وہ تب ہوتی جب تم میرے بارے میں یا کسی بھی عورت کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کرتے مگر تمہارا قصور نہیں ہے یہ اس تربیت کا قصور ہے جو تمہیں دی گئی ہے یہ اس روپے کا اثر ہے جو تمہارے ماں باپ تمہارے لیے کماتے ہیں۔ حیرانگی تو تب ہوتی ہے جب تم جیسے لوگوں میں کوئی شریف ہو۔ کسی کا کردار اچھا ہو اور تمہارے بدکردار ہونے میں تو مجھے کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔''

میں شاید اور بولتی مگر اس کے زوردار تھپڑ نے مجھے خاموش کروا دیا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے میں ساکت ہو گئی تھی مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اتنے لوگوں کے سامنے مجھ پر ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔ اسامہ اور فاروق اسے کھینچ کر پیچھے کر رہے تھے اور وہ خود کو ان کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ سب لوگ ہماری طرف متوجہ ہو چکے تھے اور وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔

''اسامہ! چھوڑو مجھے یہ خود کو سمجھتی کیا ہے۔ اس نے مجھے بدکردار کہا ہے، میں اسے بتاؤں گا، اس کی اوقات کیا ہے۔''

وہ دونوں اسے پیچھے دھکیل رہے تھے۔ فاروق اس سے کہہ رہا تھا۔

''بیٹھ جاؤ زارون! تماشا نہ بناؤ کول ڈاؤن یار! تمہیں کیا ہو گیا ہے جو بات ہے، ہم ابھی کلیئر کر لیتے ہیں۔''

''جو جیسا ہو اسے ویسا کہو تو وہ اسی طرح چلاتا رہے جیسے تم چلا رہے ہو۔ چور کو چور کہو تو اسے تکلیف تو ہو گی۔''

مجھے حیرت تھی کہ میں اس سے خوفزدہ نہیں تھی۔ میری بات پر وہ پھر بھڑک اٹھا تھا۔

اسامہ اسے مضبوطی سے جکڑے ہوئے تھا اور وہ چلا رہا تھا۔

''اسامہ! مجھے چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں بھی مار ڈالوں گا۔''

فاروق نے مجھ سے کہا تھا ''کشف آپ یہاں سے چلی جائیں۔'' میں اس کی بات سنی ان سنی کر دی تھی۔

''تم نے مجھے اس لیے مارا ہے کیونکہ تمہارے پاس وہ سب کچھ ہے جس کی بناء پر تم کسی پر بھی ہاتھ اٹھا سکتے ہو اور میں تمہیں اس لیے نہیں روک پائی کہ میرے پاس آج کچھ بھی نہیں ہے مگر میں اس وقت کا انتظار کروں گی جب میرے پاس بھی اتنی طاقت آجائے کہ میں تمہیں اس سے بھی زوردار تھپڑ مار سکوں۔''

''تم مارو گی مجھے؟ تم ہو کیا تم؟ اوقات کیا ہے تمہاری۔ مڈل کلاس کی ایک لڑکی جس کے ماں باپ کے پاس اتنے روپے نہیں کہ وہ اس کے تعلیمی اخراجات اٹھا لیں۔ جس کے چہرے پر کوئی دوسری نگاہ ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ معمولی حیثیت کی ایک معمولی لڑکی۔''

''اگر میں معمولی ہوں تو پھر میرا نام کیوں لیتے ہو ذکر بھی کیوں کرتے ہو۔ اس کالج میں بہت سی میرے جیسی لڑکیاں ہیں۔ تم ہر ایک کو تو معمولی نہیں کہتے اور اگر مجھے ہی معمولی کہتے ہو تو اس کا مطلب ہے کہ میں معمولی نہیں ہوں۔ مجھے کوئی افسوس نہیں ہے کہ میں غریب ہوں۔ یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ آپ کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لیے روپے نہ ہوں، آپ کے پاس اچھا کھانے، اچھا پہننے کے لیے نہ ہو، شرم کی بات یہ ہے کہ آپ بدکردار ہوں، آپ لوگوں کو تکلیف پہنچاتے ہوں، آپ کو کسی کی عزت کرنا نہ آتا ہو، قابل شرم چیزیں یہ ہیں۔ غربت کوئی قابل شرم چیز نہیں ہے۔ تم نے کہا تھا کوئی لڑکی ناقابل تسخیر نہیں ہوتی، تمہارا واسطہ ان جیسی لڑکیوں سے پڑتا رہا ہے۔''

میں نے اسمارہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''ہاں یہ واقعی تسخیر کی جا سکتی ہیں مگر میری جیسی لڑکیاں تم نے کبھی دیکھی ہی نہیں ہیں۔ میں کشف مرتضیٰ ناقابل تسخیر ہوں۔ تمہارے جیسے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ میرے جیسے لوگ ہمیشہ رہتے ہیں۔ تم نے کہا تھا کہ اگر یہ مجھ سے فلرٹ کرنے میں کامیاب ہوا تو تم اسے ڈنر دو گی، یہ شرط تم مجھ سے لگاؤ اگر یہ مجھ سے فلرٹ کرنے میں کامیاب ہوا تو میں تمہیں ڈنر دوں گی۔''

میں نے اسمارہ سے کہا تھا اور وہ بھڑک اٹھی تھی۔

''شٹ اپ! میں تمہارے ساتھ بات کرنا اپنی انسلٹ سمجھتی ہوں۔''

''کتنی خوددار ہو تم۔ کتنی بلند ہو تم میرے ساتھ بات کرتے ہوئے تمہاری انسلٹ ہوتی ہے۔ میرے بارے میں بات کرتے ہوئے نہیں۔''

اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا تھا پھر میں مزید کسی سے پوچھے بغیر سیدھی ہاسٹل آ گئی تھی۔

پہلے چھوٹی چھوٹی باتوں پر مجھے رونا آ جاتا تھا مگر آج تو میری آنکھوں میں ایک آنسو بھی نہیں آیا۔ اچھا ہے، بہت اچھا ہے میں اب رونا چاہتی بھی نہیں ہوں۔ میرے آنسوؤں سے کسی کو کیا فرق پڑے گا۔ کون سا عرش ہل جائے گا۔ کیا فائدہ ہوتا ہے ایسے آنسوؤں کا جن سے کسی کا دل موم ہو نہ دماغ قائل۔ پھر سے وہ توڑ پھوڑ میرے اندر شروع ہو گئی ہے جسے میں بڑی مشکل سے روک پائی تھی۔

میں نے اس سے جھوٹ بولا تھا کہ اس کی کوئی چیز مجھے متاثر نہیں کرتی اور دولت میرے لیے غیر اہم ہے۔ ہاں وہ سب مجھے اچھا لگتا ہے جو ان کے پاس ہے۔ مگر کیا کروں میں یہ چیزیں ان سے چھین نہیں سکتی ہوں پھر جھوٹ بولنے میں کیا حرج ہے۔ مجھے ابھی تک اپنے گال پر درد ہو رہا ہے اور اس اذیت کو میں کبھی نہیں بھول سکتی نہ بھولنا چاہوں گی۔

آج پھر مجھے شدت سے احساس ہو رہا ہے کہ خدا مجھ سے محبت نہیں کرتا۔ اسے میری پروا ہی نہیں ہے۔ ایسے جیسے مجھے اس نے نہیں کسی اور نے بنایا ہے۔ آخر میں نے ایسا کون سا گناہ کیا ہے میں جانتی ہوں مگر پھر بھی وہ مجھ سے ناراض ہے اور ناراض ہی رہتا ہے۔ اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ اسے مجھ سے محبت ہے تو شاید زندگی اتنی مشکل نہیں لگتی مگر اس نے میرے نصیب میں صرف ذلتیں لکھ دی ہیں وہ مجھے صرف ذلت دینا چاہتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے۔ میں اسے زور زور سے آوازیں دوں چلاؤں خوب زور سے چلاؤں اسے بتاؤں کہ وہ مجھے کتنی تکلیف پہنچا رہا ہے مگر میں ....

11 ستمبر

آج میں بہت پریشان ہوں اور کوئی چیز بھی میری پریشانی دور کرنے میں ناکام رہی ہے۔

بعض چہرے انسان کو کتنا دھوکا دیتے ہیں۔ آپ انہیں دیکھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ یہ بے ضرر ہیں، ان سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور پھر ہمیں سب سے بڑا نقصان ان ہی سے پہنچتا ہے۔ کیا کبھی کوئی سوچ سکتا تھا کہ بظاہر خاموش اور سرد نظر آنے والی اس لڑکی کے اندر اتنی آگ ہے، وہ اس طرح بول سکتی ہے۔ وہ مجھے ایک آتش فشاں کی طرح لگی تھی۔

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ وہاں لائبریری میں موجود ہوگی۔ ایک طوفان کی طرح آئی تھی وہ اور مجھے ہلا کر چلی گئی تھی۔ پوری لائبریری میں اس نے مجھے تماشا بنا دیا تھا۔ اس نے مجھے بدکردار کہا تھا اور اگر اسامہ اور فاروق مجھے نہ پکڑتے تو میں اسے جان سے ہی مار دیتا۔

اسامہ اور فاروق مجھے وہاں سے سیدھا گھر لائے تھے اور دیر تک میرا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ کشف کی طرف داری کر رہے تھے اور سارا قصور میرے سر ڈال رہے تھے۔ صحیح معنوں میں آستین کے سانپ ہیں وہ۔ میرا دل چاہ رہا تھا میں ان دونوں کو بھی شوٹ کر دوں۔

میرے دل سے ابھی تک کشف کے خلاف غصہ اور نفرت ختم نہیں ہوئی، اس نے میرے ساتھ جو کیا ہے وہ کبھی نہیں بھلا سکتا، بھولنا چاہوں تب بھی نہیں۔ میں تمہیں ہمیشہ یاد رکھوں گا کشف! اور میری یادداشت میں رہنا تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔ کاش میں تمہیں جان سے مار سکتا۔

18 اپریل

آج پورے ایک ہفتہ کے بعد میں کالج گئی تھی۔ اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ اس واقعہ کے فوراً بعد کالج جا سکتی۔ پورا ہفتہ میں ڈائری نہیں لکھ پائی۔ لکھنے کو تھا بھی کیا۔ صرف آنسو۔ ایک ہفتہ پہلے میں نے سوچا تھا کہ میں بہت مضبوط ہو گئی ہوں مگر ایسا نہیں تھا۔ ڈائری لکھنے تک میں غصہ اور شاک میں تھی اور جب اپنے احساسات کو سمجھ پاتی تو بے اختیار رونے لگی تھی۔

میں ہاسٹل کی چھت پر چلی گئی اور خود کو وہاں سے نیچے پھینک دینا چاہتی تھی۔ موت کا تصور مجھے بہت تسکین پہنچا رہا تھا۔ لیکن میں خود کو مار نہیں سکی۔ بہت سے چہرے اور آوازیں میرے قدموں سے لپٹ گئی تھیں۔ میرے ماں باپ، بہن بھائیوں کے چہرے، ان کی امیدیں، ان کے خواب، ان کی آرزوئیں سب نے مجھے جکڑ لیا تھا اور میں رک گئی تھی۔ مجھے کوئی حق نہیں تھا کہ میں ان کے خواب کو چھینوں، انہیں روند ڈالوں پھر میں وہاں بیٹھ کر روتی رہی تھی۔ ان سات دنوں میں میں نے کچھ اور نہیں کیا، ہر چیز جیسے ختم ہو گئی ہے، اب دوبارہ سے مجھے خود کو جوڑنا ہے۔ زندہ رہنا ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو مجھ پر انحصار کرتے ہیں۔

اور آج خود پر جبر کرتے ہوئے میں کالج چلی ہی گئی تھی۔ ڈیپارٹمنٹ کی طرف

جاتے ہوئے میں نے زارون کے گروپ کو دیکھ لیا تھا۔ وہ سب کی بات کو بلند آواز میں ڈسکس کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔ میں ان سے ابھی کچھ دور تھی اور پہلی دفعہ میں نے محسوس کیا کہ میرے ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں۔ مجھے ان لوگوں کے قریب سے گزر کر کلاس میں جانا تھا اور میرے چہرے پر پسینہ آ رہا تھا۔ ایک لحہ کو میرا دل چاہا کہ میں وہاں سے بھاگ جاؤں لیکن میں کب تک اور کس کس سے بھاگتی۔ سامنا تو مجھے کرنا ہی تھا۔

بڑی خاموشی سے میں ان کے پاس سے گزری تھی۔ مجھے دیکھنے کے بعد وہ بھی بالکل چپ ہو گئے تھے، اور یہی خاموشی میرے کلاس میں داخل ہوتے ہی وہاں بھی چھا گئی تھی۔ اپنے استقبال سے میں سمجھ گئی تھی کہ لائبریری کا واقعہ ان لوگوں کے علم میں آ چکا ہے۔ ظاہر ہے یہ بات چھپ نہیں سکتی تھی۔ میں صرف یہ چاہتی تھی کہ کوئی ٹیچر مجھ سے اس واقعہ کے بارے میں بات نہ کرے اور ساری کلاسز معمول کے مطابق ہوتی رہی تھیں۔ ٹیچرز نے میری غیر حاضری کے بارے میں ضرور پوچھا مگر اور کچھ دریافت نہیں کیا لیکن سر ابرار نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا تھا۔

"آپ اتنے دن کہاں تھیں۔؟" پتا نہیں ان کا لہجہ سخت تھا یا صرف مجھے ہی لگا۔

"سر! مجھے کچھ کام تھا۔" میں نے وہی جملہ دہرایا جو میں صبح سے دہرا رہی تھی۔

"کیا کام تھا آپ کو؟"

"سر! مجھے کچھ نوٹس بنانے تھے۔" میں نے ایک اور جھوٹ بولا۔

"آپ اور زارون اس پیریڈ کے بعد میرے آفس میں آئیں۔"

انہوں نے وہ بات کہی تھی جس سے میں بچنا چاہ رہی تھی۔ اگلی دو کلاسز لینے کے بعد میں ان کے آفس چلی گئی تھی وہاں وہ پہلے ہی موجود تھا۔ سر ابرار نے مجھے دیکھ کر اپنی ٹیبل کے سامنے پڑی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"آؤ کشف! بیٹھو یہاں پر۔" میں خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔

"اس دن لائبریری میں کیا ہوا تھا؟" انہوں نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا تھا۔

"کس دن سر؟" میں نے لاپروائی ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی۔

"اسی دن جس دن کے بعد سے آپ کالج نہیں آ رہی۔" اس دفعہ ان کا لہجہ خاصا سخت تھا۔

"سر! کچھ نہیں ہوا تھا۔" مجھے ان کے چہرے پر حیرانی نظر آئی تھی شاید وہ مجھ سے اس جواب کی توقع نہیں کر رہے تھے۔

''اگر کچھ نہیں ہوا تھا تو اس نے تمہیں تھپڑ کیوں مارا تھا؟'' وہ شاید اب دوٹوک بات کرنا چاہتے تھے۔

''یہ سوال آپ کو تھپڑ مارنے والے سے کرنا چاہیے۔''

وہ کچھ دیر تک مجھے دیکھتے رہے پھر انہوں نے زارون کی جانب رخ کر لیا۔

''تم نے اس پر ہاتھ کیوں اٹھایا؟''

''اس نے مجھے بدکردار کہا تھا اور یہ سن کر میں اسے میڈل دینے سے تو رہا۔''

''اب تم بتاؤ کہ تم نے ایسی بات کیوں کہی؟'' مجھے ان کے لہجے سے بہت تکلیف پہنچ رہی تھی ''وہ بدکردار ہے، اس لیے میں نے اسے ایسا کہا تھا۔''

''آپ یہاں پڑھنے آتی ہیں یا دوسروں کے بارے میں نتیجے نکالنے۔ دوسروں کے بارے میں بات کرنے کا حق آپ کو کس نے دیا ہے اگر یہ بات وہ آپ کے بارے میں کہے تو، شرم آنی چاہیے آپ کو۔'' وہ یک دم مجھ پر برس پڑے تھے۔

''مجھے اپنے کہے پر کوئی افسوس نہیں ہے، میں اب بھی یہی کہوں گی کہ یہ ایک بدکردار شخص ہے۔'' ان کے غصے کی پروا کیے بغیر میں نے اپنی بات پوری کی تھی۔

''مجھے افسوس ہے کہ تم میرے اسٹوڈنٹس میں شامل ہو، میں تمہارے بارے میں بہت غلط اندازے لگاتا رہا۔ تمہیں تو استاد سے بات کرنے کی تہذیب نہیں ہے۔ میں سمجھا تھا کہ شاید زارون نے غلطی کی ہے اور اسے معذرت کرنا چاہیے مگر معذرت تو تمہیں کرنا چاہیے۔ میرا خیال تھا کہ تم ایک اچھی فیملی سے تعلق رکھتی ہو تمہاری اچھی تربیت ہوئی ہے مگر تم نے میرے اس اندازے کو غلط ثابت کر دیا ہے۔''

''ان سب تعریفوں کے لیے آپ کا بہت بہت شکریہ۔ واقعی میری اچھی تربیت نہیں ہوئی اس لیے کہ میرے خاندان کے پاس پیسہ نہیں تھا۔ ان کے خاندان کے پاس پیسہ تھا سو انہوں نے اس کی بہت اعلیٰ تربیت کی۔ آپ اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ جتنا باکردار ہے وہ بھی جانتے ہیں۔ آپ نے کبھی اس سے کبھی اس کے افیئرز پر باز پرس کی ہے۔ آج اسے بدکردار کہنے پر آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ میں نے اسے ایسا کیوں کہا۔ یہ سب کچھ نہ ہوتا اگر میں بھی اس کے ساتھ پھرنے والی لڑکیوں کی قطار میں شامل ہو جاتی پھر سب کچھ ٹھیک رہتا۔ میری غلطی صرف یہ ہے کہ میں نے فلرٹ ہونے سے انکار کیا ہے اور مجھے اپنی اس غلطی پر کوئی افسوس ہے نہ پچھتاوا۔ آپ کو مجھے زیادہ برداشت نہیں کرنا پڑے گا، صرف چند ماہ کی تو بات ہے۔ جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے تو میرے نزدیک اس کی کوئی اہمیت ہے

عزت اگر میں اخلاقی اعتبار سے اس کی طرح گری ہوئی تو اس کے لیے کوئی زیادہ خراب لفظ استعمال کرتی۔''

پھر سر ابرار کے ردعمل کا انتظار کیے بغیر میں دروازہ کھول کر باہر آگئی تھی۔ میں کیوں صفائیاں دیتی انہیں، جب میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ مجھے برا سمجھیں گے تو سمجھتے رہیں۔ آخر پہلے کون یہاں میرا مداح ہے۔ اچھا ہے، بہت اچھا ہے کہ وہ بھی مجھے برا سمجھیں۔ جب اللہ کی نظر میں بری ہوں تو دنیا کی نظر میں اچھا بن کر کیا کرنا ہے۔

18 اپریل

پتا نہیں میرے سارے دن ایک جیسے کیوں ہوتے جا رہے ہیں، فرسٹریشن اور ڈپریشن سے بھرپور۔

آج پھر میرا دن بہت برا گزرا ہے اور اس کی وجہ وہی ہے۔ آج اس واقعہ کے بعد وہ پہلی بار کالج آئی تھی۔ ہم لوگ اس وقت ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیوں پہ کھڑے باتیں کر رہے تھے جب وہ نظر آئی تھی، سر جھکائے بڑی خاموشی سے وہ ہمارے پاس سے گزری تھی۔

سر ابرار نے اس واقعہ کے دوسرے دن ہی مجھ سے اس بارے میں بات کی تھی میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ اس نے مجھے بدکردار کہا تھا مگر انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ بغیر کسی وجہ کے ایسی کوئی بات کر سکتی ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ جب وہ کالج آئے تو وہ خود ہی اس سے پوچھ لیں اور آج سر ابرار نے اسے دیکھتے ہی اپنے کمرے میں بلوا لیا تھا۔ میں خوفزدہ تھا کہ وہ سر ابرار کو ساری بات بتا دے گی لیکن اس نے جس طرح بات کی تھی۔ اس کے انداز نے مجھے اور زیادہ خوفزدہ کر دیا تھا۔ اس نے کچھ نہ بتاتے ہوئے بھی سب کچھ بتا دیا تھا اس کے جاتے ہی سر ابرار نے مجھ سے کہا تھا۔

''تم نے اسے کیا کہا تھا جو اس نے تمہیں بدکردار کہا؟''

''سر! میں نے اسے کچھ نہیں کہا اسے غلط فہمی ہو گئی تھی۔'' میں نے جھوٹ بولنا ضروری سمجھا۔

''میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ کوئی لڑکی اتنی بڑی بات بغیر وجہ کے نہیں کہہ سکتی اور پھر وہ بھی کشف جیسی لڑکی۔ نہیں اسے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی ہوگی۔ تم نے ضرور اسے کچھ کہا ہوگا۔'' سر ابرار کا لہجہ بہت خشک تھا۔

''ہاں۔ میں نے اس کے بارے میں کچھ ریمارکس دیے تھے لیکن اس کے سامنے

نہیں، پہل میں نے بہر حال نہیں کی تھی۔'' میں نے اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کی کوشش کی۔

''کیا ریمارکس دیئے تھے تم نے؟''

سر ابرار کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی اور پہلی بار میں نے محسوس کیا کہ میرے الفاظ اس قدر بھی بے ضرر نہیں تھے کہ میں انہیں سر ابرار کے سامنے دہرا پاتا۔

''سر! یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہم کسی کی غیر موجودگی میں اس کے بارے میں کچھ کہیں تو ہمارا واقعی وہی مطلب ہو، بعض باتیں ہم ویسے ہی کر دیتے ہیں۔ دوستوں کے سامنے شو آف کے لیے مگر ضروری نہیں کہ ہم واقعی کسی کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔''

میں نے اصل بات بتانے سے پہلے تھوڑا جھوٹ بولنا شروع کیا اور پھر انہیں سنر کے ساتھ ساری باتیں بتاتا گیا۔

''اور یہ یقیناً اس ساری بکواس کا کچھ حصہ ہوگا۔ ساری بات بتانے کی ہمت تو تم کبھی نہیں کر سکتے۔'' میں ان کی بات پر سر نہیں اٹھا سکا۔

''پھر تمہیں لفظ بدکردار گالی کیوں لگا؟ اس ساری بکواس کے بعد تم اپنے آپ کے لیے کون سی عزت اور لقب چاہتے تھے۔ میرا خیال تھا کہ تمہارے سارے افیئرز انہیں لڑکوں تک محدود ہیں جو خود بھی یونیورسٹی میں انجوائے منٹ کے لیے آتی رہیں مگر تم اس حد تک گر چکے ہو۔ یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، تم نے اسے تھپڑ مارا؟ تھپڑ تو اسے تمہارے منہ پر مارنا چاہیے تھا۔ تم عورت کی عزت کرنا تک بھول گئے ہو۔ اپنے دوستوں میں بیٹھ کر تم ایسی باتیں کرتے ہو، تمہیں تو ڈوب مرنا چاہیے۔'' ان کا ہر لفظ میری شرمندگی کے بوجھ میں اضافہ کر رہا تھا۔

''اب یہاں سے دفع ہو جاؤ اور آئندہ مجھے اپنی شکل مت دکھانا۔'' میں اپنی چیئر پر سے اٹھا اور ان کے قریب کارپٹ پر پنجوں کے بل بیٹھ گیا۔

''آئی ایم ساری۔ میں مانتا ہوں۔ میں نے غلطی کی ہے مگر یہ میری پہلی غلطی تھی۔ کیا آپ مجھے ایک چانس نہیں دیں گے۔''

''تم نے مجھے اتنا صدمہ پہنچایا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے آج تک تم سے تمہارے افیئرز کے بارے میں اس لیے بات نہیں کی کیونکہ کوئی غلط بات مجھ تک نہیں پہنچی اور پھر تم نے اپنی اسٹڈیز کے معاملے میں بھی لاپروائی نہیں برتی مگر تم نے تو میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ میں نے ہمیشہ تمہیں بیٹے کی طرح چاہا ہے، اس لیے مجھے زیادہ تکلیف پہنچی ہے۔ تمہاری جگہ کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو میں کبھی اس سے اس سلسلے میں بات تک نہ کرتا مگر

تمہاری بات اور ہے۔ مجھ سے معذرت کر کے کیا ہو گا تمہیں اس سے معذرت کرنا چاہیے جس کے ساتھ تم نے یہ سب کیا ہے۔" ان کے آخری جملے پر میری، بحال ہوتی ہوئی سانس دوبارہ رکنے لگی تھی۔

"سر! کیا یہ ضروری ہے؟" میں نے بہت بے بس ہو کر ان سے کہا تھا۔

"بے حد ضروری ہے۔" ان کا نرم پڑتا ہوا لہجہ دوبارہ سخت ہو گیا تھا اور میں نے مجبوراً ہامی بھر لی۔

لیکن اب میں سوچ رہا ہوں کہ میں اسے کیسے معذرت کروں گا اس سے جس سے میں نفرت کرتا ہوں۔

میں اس سے کیسے کہوں گا کہ مجھے اپنے کیے پر افسوس ہے حالانکہ مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ اس سارے تماشے میں مجھے کیا ملا ہے۔ میں اسے فلرٹ نہیں کر پایا، سر ابرار کے سامنے اس کا امیج خراب کرتے کرتے میں اپنا امیج خراب کر بیٹھا، کالج میں بدنام ہو گیا، کوئی ایک شکست ہے جو اس نے مجھے دی ہے۔ ایک بات تو طے ہے کہ میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ میری نفرت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ شاید مجھے اسے اتنی اہمیت دینی ہی نہیں چاہیے تھی۔ میں اپنا وقت ضائع کر رہا ہوں اور یہ احساس مجھے دیر سے ہوا ہے۔

13 اگست

کالج سے فری ہونے میں بہت تھوڑا عرصہ رہ گیا ہے اور پھر مجھے عملی زندگی کا آغاز کرنا ہو گا۔ یہ سوچ کر ہی مجھے وحشت ہوتی ہے کہ مجھے واپس اپنے گھر جانا ہو گا اور جب تک کوئی جاب نہیں ملتی وہیں مقید رہنا ہو گا۔ وہاں اس گھر میں جس سے مجھے محبت نہیں ہے۔ وہاں کی کسی بھی چیز سے مجھے اپنائیت نہیں ہے پر ابھی تو مجھے فائنل سمسٹرز کا مرحلہ طے کرنا ہے۔ زارون مجھ سے معذرت کرنے کے بعد کالج سے غائب ہو گیا تھا اور میں بہت مطمئن تھی مگر اب وہ پھر سے کالج آنے لگا اور میری ساری خوشی رخصت ہو گئی ہے۔ میں خوفزدہ ہوں کہ کہیں وہ پھر پہلے جیسی حرکت نہ کرے۔ کتنا مشکل ہوتا ہے ہم جیسے لوگوں کا عزت سے رہنا، مگر مجھے اپنے اور اپنے خاندان کے لیے عزت حاصل کرنی ہے ہر قیمت پر اور یہ عزت مجھے کسی کے ساتھ نیکی کر کے نہیں ملے گی، عزت صرف روپے سے ملتی ہے۔ دوسرے لوگ شاید نیکی کر کے ان کے بدلے عزت کی خواہش کریں اور ہو سکتا ہے خدا انہیں عزت دے بھی دے مگر مجھے کسی نیکی کے بدلے میں خدا نئی آزمائش تو دے سکتا ہے عزت نہیں۔ اگر خدا میرے ساتھ اچھا

سلوک نہیں کرتا تو میں بھی کسی کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کروں گی۔ یہاں جو لوگ گناہ کرتے ہیں صرف وہی عیش اور مزے کر رہے ہیں نیکی کرنے والے تو صرف دھکے کھاتے ہیں اور میں اب دھکے کھانا نہیں چاہتی۔

❁

27 اکتوبر

آج سے میری آزادی اور بے فکری کے دن شروع ہو رہے تھے۔ کل سی ایس ایس کا آخری پیپر تھا اور آج میں دوپہر تک سوتا رہا ہوں اور اب اٹھنے کے بعد میں خود کو بالکل آزاد اور مطمئن محسوس کر رہا ہوں۔ ابھی مجھے انٹرویو کوالیفائی کرنا ہے اور پھر فائنل ایئر کے پیپرز بھی دینے ہیں مگر اب میں ان کے بارے میں زیادہ پریشان نہیں ہوں۔ اب میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا سی ایس ایس کا رزلٹ بہت اچھا آئے تبھی میں اپنی مرضی کے ڈیپارٹمنٹ میں جا سکتا ہوں۔

پچھلے دو ماہ سے میں کالج کو تو جیسے بھول ہی گیا تھا اور اب کل سے پھر وہاں جانا شروع کر دوں گا اور آج میں کالج کو بہت مس کر رہا ہوں، وہاں کی ہر چیز مجھے یاد آ رہی ہے حتیٰ کہ کشف بھی۔ اچھا ہی ہوا کہ میں نے معذرت کر لی، غلطی واقعی میری ہی تھی اور پتا نہیں کیوں میرا دل اسے دیکھنے کو چاہ رہا ہے حالانکہ میں جانتا ہوں کہ جب میں کالج جانا شروع کروں گا تو وہ مجھے دیکھے گی بھی نہیں اور اگر میں اس سے بات کرنے کی کوشش کروں گا تو وہ تو شاید بھاگ ہی جائے۔ مگر پھر بھی آج میں اتنا خوش ہوں کہ مجھے اس پر بھی غصہ نہیں آیا۔

❁

22 دسمبر

سو آج میرا تعلیمی دور ختم ہو گیا ہے۔ زندگی کا یہ باب بھی مکمل ہو گیا ہے اور اب مجھے عملی زندگی میں قدم رکھنا ہے، آگے کیا ہو گا میں کچھ نہیں جانتی نہ ہی مجھے کوئی خوش فہمی ہے۔ اپنے مستقبل کے بارے میں پرامید وہی ہوتا ہے جس کے پاس روپیہ ہو اور میرے جیسے لوگوں کا مستقبل تو ہمیشہ ہی غیر محفوظ ہوتا ہے۔ کل میں اپنے شہر واپس چلی جاؤں گی۔

اگر ایک نظر کالج کے دور پر ڈالوں تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ تلخیوں بھرا اور کتنی جلدی گزر گیا۔ اس عرصہ کے دوران مجھے کوئی دوست نہیں ملا، ہاں دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ضرور ہوا ہے۔ یہ میرے لیے کوئی اچھی خبر نہیں لائے، بس میری ذمہ داریوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔ ابھی ایک طویل سفر مجھے طے کرنا ہے اور میں جانتی ہوں۔ میں اپنی منزل تک پہنچ جاؤں گی۔

آج میں نے ایک نظم پڑھی تھی اس کی صرف ایک لائن مجھے اچھی لگی۔

چند روز اور میری جان فقط چند ہی روز

میرے دل کو چھو لیا تھا اس لائن نے۔ کتنا اچھا ہوتا کہ میں بھی اپنے آپ کو بھی یہ کہہ کر تسلی دے پاتی مگر میری پریشانیاں چند روزہ نہیں ہیں مجھے ابھی بہت جدوجہد کرنا ہے، کبھی تو صرف سوچ کر ہی تھکن ہونے لگتی ہے۔ مجھے اپنی بہنوں کے بڑھتے ہوئے قد سے خوف آتا ہے۔ میرے ماں باپ کے چہرے پہلے سے زیادہ بوڑھے ہو گئے ہیں اور ابھی تک ہمارے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

اگر اللہ نے مجھ پر اتنی ذمہ داریاں ڈالنی تھیں تو پھر اس کو چاہیے تھا کہ وہ مجھے یہ یقین بھی دیتا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ پھر شاید زندگی مجھے اتنی مشکل نہ لگتی مگر اس نے کبھی بھی مجھ سے محبت نہیں کی۔ کیا میں صرف اس لیے اسے اچھی نہیں لگتی کہ میرے پاس دولت نہیں ہے؟ کیا اللہ بھی انسانوں میں تفریق کرتا ہے۔ میں آج پھر پریشان ہوں اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔

8 اگست

کبھی کبھی میں اپنی موجودگی سے بور ہونے لگتا ہوں۔ کہاں میں لاہور جیسے ہنگامہ خیز شہر کا رہنے والا اور کہاں یہ اسلام آباد جیسا فارمل شہر، میرے لیے یہاں کوئی انجوائے منٹ کوئی تھرل نہیں ہے۔ کبھی کبھی مختلف سفارت خانوں میں ہونے والے فنکشنز میں چلا جاتا ہوں مگر یہ فنکشنز بھی اتنے فارمل ہوتے ہیں کہ میرا دل وہاں سے بھاگنے کو چاہتا ہے۔ اب میں بس یہ چاہتا ہوں کہ میری پوسٹنگ کسی دوسرے ملک میں ہو جائے تاکہ میں اپنی جاب کو انجوائے کر سکوں۔ اگلے سال میری پوسٹنگ کسی دوسرے ملک ہو ہی جائے گی کیونکہ ساؤتھ ایسٹ ایشیا ڈیسک پر کام کرتے مجھے ایک سال ہو گیا ہے۔ فارن سروس میرا خواب تھا اور مجھے خوشی ہے کہ میں نے جو چاہا پا لیا لیکن کبھی کبھی مجھے یہ جاب بور بھی لگتی ہے کیونکہ یہاں نہ حسین چہرے ہیں نہ رنگین آنچل۔ فارن سروس میں ایک تو جو لڑکیاں آتی ہیں، وہ بھی صرف نچلے درجے پر اور میں ان سے زیادہ فری نہیں ہو سکتا۔

میں کالج لائف کو بہت مس کرتا ہوں۔ کیا زندگی تھی کالج کی، ہر روز ایک سے بڑھ کر ایک ایکٹیوٹی ہوتی تھی، ایک سے ایک خوبصورت چہرے ہوتے تھے ایک ایک چیز یاد

آتی ہے مجھے یونیورسٹی کی۔ میرے دوست، گرل فرینڈز اور یہاں تک کہ کشف مرتضیٰ بھی وہ عجیب لڑکی تھی شاید میری زندگی میں آنے والی لڑکیوں میں سب سے عجیب۔ دو ہفتے پہلے میں لاہور گیا تھا اور اسامہ کے ساتھ باتوں کے دوران کشف کا ذکر بھی آیا تھا۔ اسامہ نے مجھ سے پوچھا تھا۔

"زارون! کشف کے بارے میں کچھ جانتے ہو تم؟"

میں اس کے سوال پر حیران ہوا تھا۔

"نہیں مجھے تو کچھ پتہ نہیں ہے۔ کیوں؟ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"ایسے ہی یار! میں نے سوچا شاید تمہیں کچھ علم ہوگا۔"

"چھوڑ یار! مجھے کیا پتہ اس کا۔ اس واقعہ کے بعد تو اس سے میری بات چیت بھی ختم ہو گئی تھی۔"

"ویسے کہیں تمہیں کوئی عشق ٹائپ کی چیز تو نہیں ہو گئی اس سے؟"

میری بات پر اس نے کشن اٹھا کر مجھے مارا تھا۔

"تمہاری کمینگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ چلو ایک ایک بات تو ثابت ہوئی کہ جو کمینہ ہے وہ کمینہ ہی رہتا ہے، چاہے وہ وزیر بن جائے یا سفیر۔"

میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"پھر تم پوچھ کیوں رہے ہو اس کے بارے میں؟"

"ایسے ہی وہ لڑکی مجھے ہمیشہ اٹریکٹ کرتی تھی اور آج بھی وہ میرے ذہن میں محفوظ ہے۔ وہ خوبصورت ہوتی تو میں سمجھتا کہ شاید میں اس کی خوبصورتی سے متاثر ہوں لیکن وہ خوبصورت نہیں تھی پھر بھی اس میں کچھ تھا جو اسے دوسری لڑکیوں سے الگ کرتا تھا۔ وہ کیا چیز تھی، یہ میں کبھی سمجھ نہیں پایا۔ میری ان باتوں کو تم پیار و محبت کے معنوں میں مت لینا۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر تعلق محبت کا ہی ہو۔"

وہ بڑے عجیب انداز میں کہہ رہا تھا اور میں حیران تھا کہ جو کچھ میں کشف کے بارے میں محسوس کرتا تھا وہی اسامہ نے بھی محسوس کیا تھا۔ تو کیا باقی لڑکے بھی اس کے بارے میں یہی سوچتے ہوں گے؟ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ میں نے اس کے ساتھ کچھ غلط کیا تھا۔ بہت دفعہ میں نے چاہا کہ اس سے دوبارہ معذرت کر لوں مگر ہمت نہیں ہوئی۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ وہ اب کہاں ہو گی۔ ہو سکتا ہے اس کی شادی ہو گئی ہو یا وہ کہیں جاب کرتی ہو، کیا وہ اب

بھی ویسی ہی ہوگی جیسی وہ کالج میں تھی یا بدل گئی۔ میری خواہش ہے کہ میں دوبارہ کبھی اس سے ملوں، اکثر خواہشات پوری ہو جاتی ہیں دیکھتا ہوں یہ خواہش کب پوری ہوتی ہے۔

5 دسمبر

آج اکیڈمی میں میرا پہلا دن تھا اور عجیب قسم کی آزادی کا احساس ہو رہا ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں دنیا میں آج ہی آئی ہوں۔ ذلت کی زندگی، زندگی کہاں ہوتی ہے۔ اب زندگی میرے لیے کانٹوں کا بستر نہیں رہی میں جانتی ہوں کہ ابھی مجھ پر بہت سی ذمہ داریاں ہیں مگر اب میں انہیں اٹھا سکتی ہوں آگے جانے کے راستے اب مجھے صاف نظر آنے لگے ہیں۔

ایک نظر اپنے ماضی پر ڈالوں تو وہ بدصورت اور بھیانک نظر آتا ہے اور میں کسی طور پر اسے فراموش نہیں کر سکتی۔ ان دو سالوں میں، میں نے جتنی محنت کی ہے وہ میں کبھی نہیں بھول سکتی۔ اسکول میں پڑھانے کے بعد ٹیوشنز کرنا اور پھر ساری ساری رات خود بیٹھ کر پڑھنا۔ مجھے لگتا تھا جیسے میں ایک مشین ہوں مگر مجھے یہ سب کرنا ہی تھا، اگر نہ کرتی تو اپنی کتابوں اور گھر کے اخراجات کہاں سے پورے کرتی۔ مجھے خوشی ہے کہ میری محنت ضائع نہیں ہوئی۔ ورنہ پتا نہیں میں کیا کرتی اور آج جب میں یہاں ہوں تو یوں لگتا ہے زمین پر نہیں آسمان پر ہوں اور ابھی مجھے بہت محنت کرنی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میں ڈسٹنکشن کے ساتھ اکیڈمی سے پاس آؤٹ ہوں۔ یہ کام مشکل سہی پر اتنا ناممکن نہیں ہے اور مجھے یہ بھی کرنا ہی ہے۔ اب اور میں کچھ لکھنا نہیں چاہ رہی۔ آج بس میں سونا چاہتی ہوں اور خوب سونا چاہتی ہوں کیونکہ کل سے میرے پاس فرصت کے لمحات پھر سے غائب ہو رہے ہیں۔

کبھی کبھی اچھا لگتا ہے کچھ نہ کہنا، کچھ نہ بولنا، کچھ نہ لکھنا، بس سوچنا، صرف محسوس کرنا اور آج بھی اپنی کیفیات کو محسوس کرنا چاہتی ہوں۔ بھلا کیسا لگتا ہے اپنے احساسات کو محسوس کرنا، آج میں دیکھوں گی کیسا لگتا ہے۔ آج میں سب کچھ دہراؤں گی، ماضی کو یاد کروں گی، ہر اچھی بری یاد کو سامنے لاؤں گی اور میں جانتی ہوں زندگی میں پہلی بار ان میں سے کوئی چیز بھی مجھے اداس نہیں کرے گی کیونکہ آج میں بہت خوش ہوں، بہت زیادہ، میرا دل چاہتا ہے میں اس پورے صفحے پر خوشی کا لفظ بہت بڑا سا لکھ دوں اور پھر اس پر دونوں ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کر لوں پھر خود سے پوچھوں کیا میں خوش ہوں۔؟

23 نومبر

سواب مجھے شادی کرنا ہوگی، اور مجھے یہ بات کس قدر عجیب لگ رہی ہے۔ میں نے آج تک شادی کے بارے میں سوچا ہی نہیں نہ کسی عورت نے مجھے اس حد تک متاثر کیا کہ میں شادی کے بارے میں سوچنے لگتا یا شاید یہ کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ میں کسی عورت کے بارے میں ایسا سوچنا ہی نہیں چاہتا۔ میرے لیے عورت صرف ٹائم پاس کرنے کا ایک ذریعہ ہی ہے اور بس۔ اب ایک عورت کے ساتھ مستقل طور پر زندگی گزارنا بہت مشکل نظر آ رہا ہے لیکن ماما کے پاس تو اس موضوع کے علاوہ اور کوئی موضوع ہوتا ہی نہیں۔

میں جب بھی ان کے پاس بیٹھتا ہوں وہ کسی نہ کسی لڑکی کا ذکر شروع کر دیتی ہیں۔ میں ماریشس سے سارہ کی شادی کے لیے چھٹیاں لے کر آیا ہوں اور وہ تو میری شادی پر بھی تیار نظر آتی ہیں۔ سارہ کی شادی پر بھی وہ مجھے لڑکیاں ہی دکھاتی رہیں اور میں شادی کے فنکشنز کو بھی ٹھیک سے انجوائے نہیں کر پایا حالانکہ وہاں ایک سے ایک خوبصورت لڑکی تھی، لیکن میں جانتا تھا کہ ماما مجھ پر نظر رکھے ہوئے ہیں اور اگر میں نے ٹائم پاسنگ کے لیے بھی کسی لڑکی پر التفات دکھایا تو وہ یہی سمجھیں گی کہ مجھے وہ لڑکی پسند آ گئی ہے اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ شادی کے فنکشن کے دوران ہی اس لڑکی کی فیملی سے بات طے کر لیتیں، اس لیے مجھے بہت ریزرو رہنا پڑا۔

آج پھر وہ یہی ذکر لے کر بیٹھ گئی تھیں کہ میں شادی نہیں تو منگنی کر جاؤں۔ میری ٹال مٹول پر انہوں نے کہا تھا۔

"زارون! تم شادی کیوں نہیں کرنا چاہتے؟"

"میں شادی کرنا چاہتا ہوں اور کروں گا بھی، لیکن اپنی پسند کی لڑکی سے اور وہ لڑکی مجھے ابھی تک نظر نہیں آئی۔" میں نے انہیں ٹالنے کی کوشش کی تھی۔

"زارون! جو لڑکیاں میں تمہیں دکھا رہی ہوں۔ وہ سب اچھی ہیں۔ تم ان میں سے کسی کو پسند کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔"

"میں انہیں پسند نہیں کر سکتا کیونکہ ان میں وہ خوبیاں نہیں ہیں، جو میں چاہتا ہوں۔"

"وہ خوبصورت ہیں، دولت مند ہیں، ایجوکیٹڈ ہیں، اچھی فیملی سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور کیا کوالٹی چاہیے تمہیں جو ان میں نہیں ہے۔"

"ہاں ان میں یہ سب کچھ ہے لیکن ان کے علاوہ بھی ایک چیز ہوتی ہے اور وہ کردار ہے۔ مجھے ایسی لڑکی چاہیے جس کا کبھی کوئی اسکینڈل نہ بنا ہو جس نے مذاق میں بھی کسی

کے ساتھ فلرٹ نہ کیا اور نہ ہی کسی نے اس کے ساتھ کوئی افیئر چلایا ہو۔"
میری بات پر ماما میرا منہ دیکھ رہ گئی تھیں۔
"زارون! میں جن لڑکیوں کی بات کر رہی ہوں وہ بھی آوارہ نہیں ہیں۔ ان میں تمہاری مطلوبہ اہلیت پائی جاتی ہے، وہ بہت اچھی ہیں۔"
"مجھے پاکستان سے گئے صرف دو سال ہوئے ہیں، ان دو سالوں میں کون سا انقلاب آگیا ہے ہماری سوسائٹی میں کہ ساری لڑکیاں پارسا ہو گئی ہیں۔ اب وہ فلرٹ نہیں کرتیں یا ان کے اسکینڈل نہیں بنتے۔"
میں نے کافی ترشی سے ماما کا جواب دیا تھا اور انہوں نے بھی اسی لہجے میں کہا تھا۔
"کسی کے ساتھ فلرٹ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ لڑکی کرپٹ ہے اور تم خود کون سے پارسا ہو، تم خود بھی تو یہ سب کچھ کرتے رہے ہو۔"
انہوں نے صاف مجھ پر طنز کیا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے میں واقعی خاموش ہو گیا۔
"ٹھیک ہے میرے افیئرز رہے ہیں اور میں ایک فلرٹ ہوں لیکن میں مرد ہوں یہ کر سکتا ہوں۔ میری بیوی کو میرے جیسا نہیں ہونا چاہیے۔ میری زندگی میں لاکھ لڑکیاں سہی مگر اس کی زندگی میں میرے علاوہ کوئی اور نہیں ہونا چاہیے اور اگر آپ کو ایسی لڑکی نہیں ملتی تو پھر یہ کام مجھ پر چھوڑ دیں۔"
میں یہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔ میرے لیے ماما کو یہ بات سمجھانا بہت مشکل ہو رہا تھا کہ میں کسی بدنام لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا اور وہ میرے سامنے ایسی ہی لڑکیوں کو لا رہی تھیں۔
ان چند دنوں میں، میں یہ بات تو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ والدین کتنے بھی آزاد خیال کیوں نہ ہوں، بچوں کی شادی کے معاملے میں وہ بہت قدامت پسند ہو جاتے ہیں اور ہم جیسی فیملیز میں تو شادی بھی بزنس ڈیلنگز کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ لوگ اپنے بزنس کو بچوں کی شادیوں کے ذریعے وسیع کرتے ہیں مگر میں ایسی کسی بزنس ڈیل کا حصہ نہیں بننا چاہتا۔ میں زندگی کو اپنی مرضی کے مطابق گزارنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ میری زندگی ہے اور فی الحال تو میں اپنی موجودہ زندگی سے بہت خوش ہوں اور شادی جیسا کوئی پھندا گلے میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ ہاں جب شادی کروں گا تو ایسی لڑکی چاہوں گا جو خوبصورت ہو، ویل آف ہو، اچھی فیملی سے تعلق رکھتی ہو، ایجوکیٹڈ ہو اور کریکٹر وائز اسٹرونگ ہو، مگر فی الحال میں بیوی جیسا کوئی بکھیڑا پالنا نہیں چاہتا کیونکہ بیوی مجھ پر پابندیاں لگانے کی کوشش کرے گی اور وہ میں نہیں چاہتا۔

ماما اگر میری ڈائری پڑھ لیں تو وہ مجھے قدامت پسند، تنگ نظر شاؤنسٹ اور پتہ نہیں کیا کیا کہیں گی مگر میں اپنے اصل کو روشن خیالی کے پردوں میں نہیں چھپا سکتا جو میں ہوں، وہ میں ہوں اور خود کو بدلنا بہت مشکل کام ہے کم از کم میں یہ نہیں کر سکتا۔

❁

6 اکتوبر

آج میری پہلی پوسٹنگ ہوئی تھی، ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے طور پر کھاریاں میں، اور اس ہفتے کے اندر میں وہاں جا کر چارج سنبھال لوں گی اور پھر میں صحیح معنوں میں عملی زندگی کا آغاز کروں گی۔ مجھے وہاں جاتے ہوئے خوشی تو ہو رہی ہے مگر بہت زیادہ ذمہ داری کا احساس بھی ہو رہا ہے، کھاریاں میں پہلی بار کسی عورت کو اس عہدے پر بھیجا جا رہا ہے اور میں پوری کوشش کروں گی کہ میں اپنے فرائض کو پوری تن دہی سے انجام دوں۔ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ دوں کہ فلاں کام میری وجہ سے نہیں ہو پایا یا بگڑ گیا اور پھر مجھے اس فیلڈ میں اب صحیح معنوں میں سیکھنے کا موقع ملے گا۔ ابھی تک تو صرف کتابی علم تھا اور وہ عملی دنیا میں بڑی حد تک لاگو نہیں ہوتا۔

میری اس ایک سال کی پرفارمنس کی بنیاد پر ہی میری اگلی پوسٹنگ ہوگی اور کسی اچھی جگہ پوسٹنگ لینے کے لیے ضروری ہے کہ میں تربیت کے اس سال میں بہت محنت کروں اور میری پرفارمنس غیر معمولی ہو۔ زندگی بہت ہموار اور آسان سی ہوتی جا رہی ہے یوں لگتا ہے، جیسے ساری تکلیفیں اور پریشانیاں یک دم ختم ہو گئی ہیں اور کبھی کبھی مجھے ان آسانیوں سے خوف آنے لگتا ہے کیا واقعی میری ساری مشکلیں ختم ہو گئی ہیں؟ پتہ نہیں یہ اطمینان اور سکون کب تک رہتا ہے مگر جب تک یہ ہے میں اسے انجوائے کرنا چاہتی ہوں پتہ نہیں کب......

❁

2 جنوری

آج مجھے اپنے کیریئر کی پہلی پروموشن ملی ہے۔ اب مجھے ڈپٹی چیف آف مشن بنا کر قاہرہ بھیجا جا رہا ہے اور اگلے دنوں میں، میں وہاں ہوں گا، میں نے ماریشس میں اپنی پوسٹنگ کو بہت انجوائے کیا ہے کیونکہ یہ بہت خوبصورت ملک ہے بالکل ایک پرفیکٹ ہالی ڈے سپاٹ کی طرح۔ یہاں میں تھرڈ سیکرٹری کے طور پر بھیجا گیا تھا اور اپنی **Tenure** کے خاتمہ سے پہلے ہی مجھے ترقی دے کر قاہرہ بھیجا جا رہا ہے اور مصر کی سرزمین تو ہر ایک کو ہی پراسرار لگتی ہے مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے حالانکہ میں پہلے بھی دو بار چند دنوں کے لیے مصر جا چکا ہوں۔ اس کے باوجود ایک لمبے عرصے کے لیے وہاں قیام کرنا مجھے عجیب لگ رہا ہے۔

اپنی زندگی میں کبھی کبھی ایک راؤنڈ اباؤٹ کی طرح لگتی ہے۔ یہ ملک وہ ملک پھر پاکستان پھر کہیں اور۔ کبھی کبھی میں بور بھی ہونے لگتا ہوں۔ حالانکہ فارن سروس میں نے اسی گھومنے پھرنے کے لیے جوائن کی تھی مگر خیر زندگی ایسے ہی گزارنی ہے۔ اب کبھی کبھی مجھے تنہائی بھی محسوس ہونے لگتی ہے۔ جیسے آج میں خود کو تنہا محسوس کر رہا ہوں روزانہ ایک ہی روٹین ہوتی ہے۔ گھر سے آفس، آفس سے پھر گھر اور گھر واپس آنے کے بعد سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرنا چاہیے۔ ادھر ادھر پھرنے کے باوجود بہت بوریت ہوتی ہے۔ شاید اب مجھے شادی کر ہی لینی چاہیے۔ ہو سکتا ہے میں اسی وجہ سے تنہائی محسوس کرتا ہوں اور فیملی ہی میرے اکیلے پن کا علاج ہو مگر پرابلم پھر وہیں پر آجاتی ہے کہ شادی کے لیے لڑکی کہاں سے آئے گی۔ جو لڑکیاں مجھے ملتی ہیں۔ ان سے میں شادی نہیں کر سکتا کیونکہ وہ میرا آئیڈیل نہیں ہیں اور جو میرا آئیڈیل ہے وہ کہیں نظر ہی نہیں آتی۔

میں اکثر کوشش کرتا ہوں کہ یہاں نہ صرف پاکستانی کمیونٹی بلکہ دوسری کمیونٹیز کی لڑکیوں سے بھی ملوں اور انہیں سمجھنے کی کوشش کروں لیکن کوئی بھی لڑکی میرے معیار پر پورا نہیں اترتی، ان میں وہی ...... بے باکی ہے جو مجھے ناپسند ہے اس کے باوجود اب مجھے شادی کر ہی لینی چاہیے کیونکہ اب تیس سال کا ہو گیا ہوں اور اپنے والدین کو خاصا ناراض بھی کر چکا ہوں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ اب تک مجھے دو بچوں کا باپ ہونا چاہیے تھا۔

مجھے یہ سوچ کر کبھی ہنسی آتی ہے کہ جب میں باپ بنوں گا تو اپنے بیٹے کی شادی کے لیے اتنے ہی جتن کروں گا؟ اور کیا وہ بھی اپنی ڈائری میں ایسا ہی لکھے گا۔ میرے سب دوستوں کی شادی ہو چکی ہے اور پچھلے ماہ جب میں اسامہ کی شادی پر گیا تھا تو بہت دیر تک اسے کشف کے حوالے سے چھیڑتا رہا تھا اور وہ مجھ پر بگڑتا رہا تھا۔ عجیب بات ہے جب بھی اسامہ سے ملتا ہوں مجھے کشف ضرور یاد آتی ہے۔ یقیناً اب تک اس کی شادی بھی ہو گئی ہو گی۔ وہ کیسا آدمی ہو گا یہ تو میں نہیں جانتا۔ ہاں مگر خوش قسمت ضرور ہو گا کیونکہ اس کی بیوی بہت اچھی ہے۔ میں ان دو سالوں میں چار دفعہ پاکستان گیا ہوں مگر پوری کوشش کے باوجود میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جان پایا اور نہ ہی مجھے اب اس سے ملنے کی کوئی امید ہے مگر میں اس کے لیے دعا گو ہوں کہ وہ جہاں بھی ہو خوش ہو۔

⊛

8 جنوری

کل شاء کی شادی بھی ہو گئی ہے اور ذمہ داریوں کے پہاڑ ایک ایک کر کے میرے کندھوں سے اتر رہے ہیں۔ میں اپنی بہنوں کے مستقبل کے بارے میں پریشان رہتی تھی

کیونکہ روپے نام کی کوئی چیز ہمارے پاس نہیں تھی اور انہیں تعلیم میں دلچسپی نہیں تھی اور میں سوچتی تھی کہ ان کی شادی کیسے ہوگی۔ کیا ایک بار پھر ہمیں رشتے داروں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑے گا، مگر وہ بہت خوش قسمت ہیں، انہیں کسی محنت اور پریشانی کے بغیر ہی سب کچھ مل گیا ہے اور میرا یہ عقیدہ مزید مضبوط ہوگیا ہے کہ دنیا میں صرف وہی شخص کچھ پا سکتا ہے جو دولت مند یا خوبصورت ہو، میری بہنیں بہت زیادہ خوبصورت نہ سہی بہرحال خوبصورت ہیں۔

جب اسماء کے لیے اظہر کا پروپوزل آیا، تو مجھے حیرت ہوئی تھی کیونکہ اسماء نے رو دھو کر گریجویشن کیا تھا اور اظہر انجینئر تھا اور بہت قابل تھا۔ مالی لحاظ سے وہ بہت امیر نہ سہی مگر بہت اچھے تھے پھر انہوں نے جہیز لینے سے بالکل انکار کر دیا تھا۔ پہلے اظہر کی امی میرے رشتے کی خواہش مند تھیں مگر میں نے امی سے کہا تھا کہ میرے بجائے انہیں اسماء کے لیے کہیں اور اظہر کی امی ہر قیمت پر ہمارے خاندان سے رشتہ داری قائم کرنا چاہتی تھیں سو انہوں نے اسماء کے لیے وہی پرپوزل بھجوا دیا۔ اس کی شادی کو ایک سال ہو چکا ہے اور وہ اظہر کے ساتھ بہت خوش ہے۔

23 فروری

کیا دن تھا آج کا دن بھی۔ غلط چیزیں، غیر متوقع باتیں۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسامہ مجھے یہ سرپرائز دینا چاہتا تھا۔ G.C کے اولڈ سٹوڈنٹس کی ایک گیدرنگ کروائی تھی اس نے شیخوپورہ میں، اور مجھے بھی انوائٹ کیا تھا۔ بیوروکریٹس کا ایک بڑا اجتماع وہاں تھا۔ بہت سے پرانے چہرے نظر آئے تھے کچھ سے میں واقف تھا کچھ سے انجان تھا مگر پھر بھی میں نے فنکشن کو انجوائے کیا تھا۔ فنکشن کے دوران وہ میرے پاس آیا تھا۔

"یار! سرپرائز مکمل نہیں ہو سکا وہ کسی مصروفیت کی وجہ سے آ ہی نہیں سکی۔"

میں نے بڑی حیرانی سے اس سے پوچھا تھا۔

"کون نہیں آ سکی۔۔۔؟"

"مس مرتضیٰ۔" اس نے مختصر جواب دیا تھا۔

"کون ہیں بھئی یہ مس مرتضیٰ؟" وہ میرے سوال پر کچھ حیران نظر آیا تھا۔

"ہماری کلاس فیلو ہیں۔"

"بھئی نام بتاؤ تو پتا چلے گا ناں؟" میں نے سوفٹ ڈرنک کے سپ لیتے ہوئے کہا تھا۔ وہ میرے پاس بیٹھ گیا۔

"ایسا کرو کہ تم ہماری ہر کلاس فیلو کے نام کے ساتھ مرتضیٰ لگا کر دیکھو۔"

"نبیلہ مرتضیٰ، عالیہ مرتضیٰ، شازیہ مرتضیٰ۔"

میں ایک ایک نام لینے لگا۔ وہ عجیب سی مسکراہٹ سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"نورین مرتضیٰ، کشف مرتضیٰ۔" یک دم میرے ذہن میں جھماکا ہوا تھا۔ میں بے اختیار چپ ہو گیا۔

"باقی نام بھی لو چپ کیوں ہو گئے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ مس مرتضیٰ کشف مرتضیٰ ہے نا؟ تم نے اسے کہاں سے ڈھونڈ نکالا۔"

"ہاں یہ کشف مرتضیٰ ہی ہے۔ ایک دفعہ لاہور میں میٹنگ ہوئی تھی پورے پنجاب کے انتظامی عہدیداران کی، اسی میں کشف سے ملاقات ہوئی۔ وہ اسسٹنٹ کمشنر کے طور پر گجرات میں پوسٹڈ ہے۔ بعد میں بھی ایک دو بار اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے یہ گیدرنگ اسی لیے ارینج کی تھی کہ تمہیں اس سے ملواؤں مگر وہ آئی ہی نہیں، سو میرا سرپرائز صحیح معنوں میں سرپرائز ثابت ہوا۔"

"کیا ہم اس سے ملنے نہیں جا سکتے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں، بہت اچھے تعلقات رہے ہیں تمہارے اس سے کہ اب تم اس سے ملنے جاؤ گے۔"

میں اس کی بات پر خاموش ہو گیا تھا۔

پھر ہم لوگوں نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی۔ مگر اپنے کمرے میں آنے کے بعد سے میں سوچ رہا ہوں کہ میں کشف سے کیسے مل سکتا ہوں۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ اس عہدے تک پہنچ سکتی ہے مگر اس نے ایک بار پھر ثابت کر دیا کہ وہ عام لڑکی نہیں ہے۔ کشف مرتضیٰ کا نام میرے پچھلے سالوں کی ڈائریوں میں بار بار لکھا ہے مگر میں کتنا اسٹوپڈ ہوں کہ آج مجھے اس کا نام ہی یاد نہیں آیا۔ آج رات میں سو نہیں پاؤں گا کیونکہ میں سونا چاہتا ہی نہیں ہوں۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ ایک بار صرف ایک بار۔ مگر یہ کیسے ہو گا میں نہیں جانتا، میں جو ہر بات کا حل نکال لیتا ہوں، اس مسئلے کا حل نکالنے سے قاصر ہوں۔

۞

10 فروری

اس وقت رات کے دس بج رہے ہیں۔ آج گجرات میں میری پوسٹنگ کا آخری دن تھا۔ آج میں نئے آنے والے اے سی کو چارج دے چکی ہوں اور کل مجھے فیصل آباد میں

چارج لینا ہے۔ پتہ نہیں سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ ہی انتظامی تبدیلیاں کیوں شروع ہو جاتی ہیں۔ میں ذہنی طور پر پہلے ہی اپنا چارج چھوڑنے کے لیے تیار تھی کیونکہ صوبہ میں بڑے پیمانے پر انتظامی تبدیلیاں ہو رہی تھیں پھر میں اس وبا سے کیسے بچ سکتی تھی۔

میں کبھی بھی گجرات میں پوسٹنگ کے ڈیڑھ سال کو نہیں بھول سکتی۔ یہی میری زندگی کا سب سے یادگار عرصہ ہے۔ اگر سوچوں کہ ان ڈیڑھ سالوں میں سب سے اچھا کام کون سا کیا۔ تو ذہن پر زیادہ زور دینا نہیں پڑے گا۔ اپنے منجھلے ماموں کے بڑے بیٹے کو پولیس کسٹڈی سے چھڑوانا ہی سب سے بہترین کام تھا۔ اس پر کار چوری کا الزام لگایا گیا تھا اور وہ اس جرم سے انکاری تھا حالانکہ میں جانتی تھی کہ تقریباً سچ ہی مگر اس نے یہ کام ضرور کیا ہوگا، اس کے باوجود میں اپنی ماں کے کہنے پر بلکہ مجبور کرنے پر اسے رہا کروانے پر مجبور ہوگئی اور جس آدمی کی کار چوری ہوئی تھی۔ اسے مجبور کیا کہ وہ میرے ماموں کے ساتھ تصفیہ کرلے۔ یہ کام میری زندگی کا سب سے مشکل کام تھا کیونکہ مجھے جن لوگوں سے نفرت ہے، ان میں منجھلے ماموں کا خاندان بھی شامل ہے۔

جب ہم اپنے حالات کے بگڑ جانے کی وجہ سے ان کے ہاں رہنے پر مجبور ہوئے تو ان کا سلوک ہمارے ساتھ انسانیت سے گرا ہوا تھا۔ ممانی ہمیشہ کھانے کے وقت ہمیں کہا کرتیں کہ ہم تھوڑا کھانا لیں کیونکہ باقی لوگوں نے بھی کھانا ہے اور ہم حیران ہو کر ان کا منہ دیکھا کرتے کہ کیا ہم اتنا کھانا کھا رہے ہیں کہ وہ یہ کہنے پر مجبور ہوگئی ہے۔

اخبار پڑھنے کے لیے میں ممانی کے کمرے میں دس دس چکر لگایا کرتی تھی اور انہوں نے اگر اخبار پڑھ بھی لیا ہوتا تب بھی مجھے آتا دیکھ کر وہ دوبارہ اخبار اٹھا لیتیں۔

ناشتے میں ہمیں ڈبل روٹی نہیں ملتی تھی۔ لیکن چوہوں کی کتری ہوئی ڈبل روٹی کے پورے لفافے ڈسٹ بن میں پڑے ہوتے۔ ہم لوگ ٹی وی دیکھنے ان کے کمرے میں جاتے تو وہ یا ان کا کوئی بچہ ٹی وی بند کر دیتا۔ ذلت کے وہ تین سال میرے لیے بہت اہم ثابت ہوئے تھے انہوں نے آگے پڑھنے کے لیے مجھے تیار کیا تھا۔ میں تب بارہ سال کی تھی اور ان کی ساری باتیں آج بھی میرے ذہن پر نقش ہیں۔

سجاد کو چھڑوانے پر میں امی کی وجہ سے مجبور ہوئی تھی اور میں حیران تھی کہ کیا امی وہ سب بھول گئی ہیں مگر وہ ایک محبت کرنے والی بہن ہیں اور ایسی بہنوں کی یادداشت بھائیوں کے معاملے میں ہمیشہ کمزور ہوتی ہے۔

اس ڈیڑھ سال میں میں اپنے رشتہ داروں کے بہت سے چھوٹے بڑے کام کرتی رہی ہوں اور اب میرے سر پہ یہ بوجھ نہیں ہے کہ میں نے ان کے لیے کبھی کچھ نہیں کیا، میں نے سارا احسان نہیں تو اس کا بڑا حصہ اتار دیا ہے۔ اب ان کے سامنے میری گردن پہلے کی طرح جھکی نہیں رہے گی۔ مجھے اپنی ٹرانسفر سے خوشی ہوئی ہے کیونکہ اس نے میرے ذہنی دباؤ کو کم کر دیا ہے۔ میں چاہوں گی آئندہ میری پوسٹنگ کبھی گجرات میں نہ ہو۔ شاید میں دوبارہ کسی کے کام آنا نہیں چاہتی۔

25 دسمبر

تو آج میں نے کشف مرتضیٰ کو دیکھ ہی لیا۔ اس کشف مرتضیٰ کو جس سے ملنے کے لیے میں پچھلے سات سالوں سے بے قرار تھا اور یہ ملاقات بہت غیر متوقع تھی۔

جب میں فیصل آباد آیا تھا تو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ مجھے وہاں ملے گی۔ میں تو صرف ٹیسٹ میچ دیکھنے کے لیے فیصل آباد آیا تھا کیونکہ لاہور میں بور ہو رہا تھا۔ اس لیے سوچا کہ چلو کرکٹ ہی سہی تفریح کا کوئی سامان تو ہو اور پھر یہاں میرا کزن عارف بھی پوسٹڈ تھا۔ تو سوچا اس بہانے اس سے بھی مل لوں گا۔

آج ٹیسٹ میچ کے اختتام پر دونوں ٹیموں کے اعزاز میں دعوت دی گئی تھی اور عارف کے ساتھ میں بھی اس دعوت میں گیا تھا۔ ڈنر سے پہلے جب رسمی تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلے تقریر اس کی تھی۔ وہ اسٹیج پر آ کر رسمی کلمات دہراتی رہی تھی اور میں اس کا جائزہ لیتا رہا۔ وہ آسمانی رنگ کے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس تھی اور اس کے اوپر اس نے کالی جیکٹ پہنی ہوئی تھی جس کے بٹن سامنے سے کھلے تھے اور جسے اس نے آستینوں سے فولڈ کیا ہوا تھا۔ اس کے بال اسٹیپس میں کٹے ہوئے تھے۔ میں نہیں جانتا کہ کالج میں بھی اس نے بال کٹوائے ہوئے تھے یا نہیں کیونکہ اس کے سر پر ہمیشہ ایک بڑی سی چادر ہوتی تھی۔ ایک اور تبدیلی جو میں نے اس میں دیکھی تھی وہ اس کی مسکراہٹ تھی۔ وہ اپنی تقریر کے دوران مسلسل مسکراتی رہی تھی اور کالج میں میں نے اسے مسکراتے کم ہی دیکھا تھا۔ اپنی تقریر ختم کر کے وہ اسٹیج سے اتر آئی تھی اور میری نظریں اس کی سیٹ تک اس کے تعاقب میں گئیں۔

اس وقت تک میں نہیں جانتا تھا کہ اس نے مجھے دیکھا ہے یا نہیں اور اگر دیکھا تو تھا تو کیا پہچانا تھا یا نہیں۔ ڈنر سے کچھ دیر پہلے وہ عارف کے پاس گئی تھی اور عارف اسے لے کر میری طرف آ گیا، اور میں اس لمحے بہت نروس تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ اب عارف اس کے

ساتھ میرا تعارف کروائے گا اور میں اس کے ردِعمل کے بارے میں فکر مند تھا لیکن جب عارف نے اس سے میرا تعارف کروایا تو اس کی آنکھوں میں کوئی شناسائی نہیں جھلکتی تھی۔ اس نے بڑے رسمی طریقے سے مجھ سے دعا سلام کی۔ میں اس کے انداز پر حیران رہ گیا تھا کہ اس نے مجھے پہچانا کیوں نہیں۔ میرے نام پر میرے چہرے کو دیکھ کر اسے اتنا بے تاثر تو نہیں رہنا چاہیے تھا۔

ڈنر کے بعد وہ چائے کا کپ لے کر ہال سے باہر نکل گئی میرا دل چاہا کہ میں اسے اپنی شناخت کرواؤں۔ میں بھی اس کے پیچھے باہر چلا گیا۔ وہ برآمدے کے ستون کے پاس کھڑی چائے پی رہی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں چائے کا کپ اور دوسرا ہاتھ جیکٹ کی جیب میں تھا وہ لان کو دیکھ رہی تھی۔ میرے قدموں کی چاپ پر اس نے گردن موڑ کر مجھے دیکھا تھا۔

''کشف! آپ نے مجھے پہچانا۔''

اسے اپنی جانب متوجہ دیکھ کر میں نے کہا تھا۔ بڑی گہری نظروں سے اس نے مجھے دیکھا تھا پھر پیپر کپ کو رول کر کے لان میں پھینکتے ہوئے کہا۔

''بہت اچھی طرح۔ کیونکہ اس حوالے سے میں نے بہت کم لوگوں کو یاد رکھا ہے اور جنہیں میں یاد رکھتی ہوں انہیں کبھی بھلاتی نہیں ہوں زارون جنید!''

اس کا لہجہ اس قدر سرد تھا کہ میں چاہتے ہوئے بھی خود کو کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں کر سکا، پھر وہ وہاں سے چلی گئی تھی وہ واقعی بدل گئی تھی۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی تھی اور ایک لمحہ کے لیے بھی میری آنکھوں سے اس نے نظریں نہیں ہٹائی تھیں اور کالج میں وہ کسی سے بات کرتے ہوئے ہمیشہ ادھر ادھر دیکھا کرتی تھی۔ میں اس کی آنکھوں کا تاثر نہیں بھول پایا ہوں۔ بالکل سرد آنکھیں برف کی سلاخوں کی طرح، بالکل انسان کے اندر اتر جانے والی نظریں۔ کم از کم میں تو جان گیا ہوں کہ میں اسے بھولا نہیں ہوں۔ آخر مجھے یہ توقع کیوں تھی کہ وہ سب کچھ فراموش کر چکی ہوگی۔ کیا وہ سب کچھ فراموش کر دینے والا تھا اور پھر جب آج تک میں کالج کے اس واقعہ کو نہیں بھلا پایا تو وہ کیسے بھول سکتی ہے۔ لیکن آج پہلی دفعہ میرا دل چاہا تھا کہ کاش وہ سب کچھ بھول چکی ہوتی۔

اب جب میں ڈائری لکھ رہا ہوں تو میرے ذہن میں صرف ایک ہی سوچ ہے کہ میں اس سے دوبارہ کیسے ملوں، میں اس کے دل سے اپنے لیے بدگمانی کا زہر نکالنا چاہتا ہوں۔ کیوں یہ میں نہیں جانتا میں تو ابھی تک اس کیفیت سے ہی نہیں نکلا ہوں جو آج اسے سامنے دیکھ کر مجھ پر طاری ہوگئی تھی۔ آج تک کسی عورت کو دیکھ کر میں ویسے جذبات سے

دو چار نہیں ہوا جیسے آج ہوا ہوں۔ اے خدا! کیا ضروری تھا کہ تم کشف کو بناتے۔

۞

26 مارچ

کل جب میں نے زارون جنید کو دیکھا تھا تو مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ آج وہ میرے آفس آ جائے گا۔ جب پی اے نے مجھے اس کا کارڈ لا کر دیا تو چند لمحوں کے لیے میں حیران رہ گئی تھی کیونکہ مجھے یہ امید نہیں تھی کہ میری رات کی بے اعتنائی کے باوجود اگلے ہی دن دوبارہ میرے سامنے آ کھڑا ہوگا۔

"ان صاحب کو انتظار کرنے کے لیے کہو، جب میرے پاس کام ختم ہو جائے گا تب میں ان سے ملوں گی۔"

پی اے میری بات پر ہچکچاتے ہوئے بولا تھا۔

"لیکن میڈم! انہیں اس طرح انتظار کروانا ٹھیک نہیں ہوگا۔"

میں جانتی تھی کہ وہ کارڈ پڑھ چکا ہے اور فارن منسٹری کے ایک آدمی کو بلا وجہ انتظار کروانا اپنا سروس ریکارڈ خراب کرنے کے مترادف تھا اور شاید یہی بات وہ مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میں نے آپ سے جو کہا تھا آپ وہی کریں۔"

اس دفعہ میرا لہجہ سخت تھا۔ اس لیے وہ خاموشی سے چلا گیا۔ پھر میں معمول کے کام سرانجام دیتی رہی۔ لنچ آور کے دوران پی اے نے مجھے پھر اس کی موجودگی کے بارے میں بتایا اور میں نے اسے دوبار انتظار کروانے کے لیے کہا۔ لنچ انٹرول کے بعد پی اے دوبارہ میرے پاس آیا۔

"میڈم! اب لے آؤں انہیں؟"

"آپ اس قدر بے چین کیوں ہو رہے ہیں، میں نے کہا نا جب مجھے فرصت ملے گی۔ میں ان سے ملوں گی اگر وہ انتظار کر سکتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ چلے جائیں۔"

میرا لہجہ اتنا بگڑا ہوا تھا کہ اس نے کچھ کہنے کی کوشش ہی نہیں کی میں دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

آف ٹائم ختم ہونے سے پہلے میں نے پی اے کو بلوایا اور اسے معمول کی ہدایات دیں۔

"وہ صاحب اب بھی بیٹھے ہیں؟"

"جی میڈم! لے آؤں اندر؟" میرے استفسار پر اس نے فوراً کہا تھا اور میں نے سر ہلا دیا۔

چند لمحوں کے بعد زارون جنید دروازہ کھول کر اندر آ گیا تھا۔

"جی فرمایئے۔ کس لیے زحمت کی آپ نے۔" میں نے اس کے اندر آتے ہی پوچھا تھا۔ وہ میری بات پر مسکرانے لگا۔

"آپ بیٹھنے کے لیے نہیں کہیں گی مجھے۔"

"میں نے تمہیں اندر آنے دیا۔ کیا یہ کافی نہیں ہے؟"

"میرے خیال میں مجھے خود ہی بیٹھ جانا چاہیے۔ اتنے لمبے انتظار کے بعد اتنا حق تو بنتا ہے میرا۔"

وہ یہ کہہ کر بڑے پرسکون انداز میں کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا، میں کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ پھر انٹر کام پر پی اے کو اندر بلایا۔ پی اے کے آنے تک وہ مسکراتا رہا، پی اے کے اندر آنے پر میں نے اس سے کہا۔

"باری صاحب! اس شخص کو اچھی طرح دیکھ لیں اگر یہ دوبارہ یہاں آئے اور مجھ سے ملنے پر اصرار کرے تو اسے دھکے دے کر یہاں سے نکال دیجئے گا۔"

زارون کے چہرے کا اڑتا ہوا رنگ دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی تھی اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔

"بس مجھے آپ سے یہی کہنا تھا۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔" پی اے بوکھلایا ہوا سر ہلاتا میرے کمرے سے نکل گیا۔

"تمہیں یاد ہوگا، جب تم نے مجھے کالج میں تھپڑ مارا تھا تو میں نے تم سے کہا تھا کہ میں اس وقت کا انتظار کروں گی جب میں تمہیں اس سے زیادہ زوردار تھپڑ مار سکوں گی اور یہ وہی وقت تھا جس کا مجھے انتظار تھا لیکن میں تم پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گی کیونکہ جو کچھ میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے۔ وہ کسی تھپڑ سے کم نہیں ہے۔ آئندہ یہاں آنے کی زحمت مت کرنا، ناؤ گیٹ آؤٹ فرام ہیئر۔"

وہ میری بات پر سرخ چہرے کے ساتھ ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔

"جس عہدے پر تم ہو اور جس کرسی پر بیٹھ کر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ تم نے دنیا فتح کر لی ہے، اسے ختم کرنے کے لیے میرا ایک ہی فون کافی ہے اور پھر تم اس عہدے پر نہیں رہو گی جس کے بل بوتے پر تم مجھے یہاں سے نکال رہی ہو۔" میں اس کی بات پر مسکرائی تھی۔

"چلو کوشش کر کے دیکھ لو۔ میں تمہاری طاقت، پہنچ اور کمینگی تینوں سے واقف ہوں پھر بھی خوفزدہ نہیں ہوں۔ تم میرا کیریئر ختم کر سکتے ہو دنیا تو نہیں۔ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تمہارے کہنے پر مجھے او ایس ڈی بنا دیا جائے گا یا میرے خلاف کوئی انکوائری شروع کروا دی جائے گی۔ ایسی آزمائشوں سے میں نہیں گھبراتی۔ عادی ہوں ان سب کی ہاں تمہارے جیسے آسائشوں کے عادی ڈر جاتے ہیں۔ میں ہر چیز کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن تمہیں جو کرنا ہے وہ تو تم یہاں سے جانے" کے بعد ہی کرو گے، ابھی تو نہیں کر سکتے۔"

Now , get out of my room and do whatever you like. But at present I'm the boss here.

(فی الحال تو میں یہاں باس کا درجہ رکھتی ہوں تم یہاں سے دفع ہو جاؤ اور جی چاہے کرو۔)

چند لمحوں کے لیے مجھے دیکھتا رہا اور پھر کرسی کو ٹھوکر مارتا ہوا باہر چلا گیا۔

میں جانتی ہوں وہ جو کہہ رہا تھا، وہ کروا سکتا ہے لیکن میں اب خوفزدہ نہیں ہوں۔ آج سے چند سال پہلے اگر وہ مجھ سے ملتا تو میں کبھی بھی اس سے اس طرح بات نہیں کر سکتی تھی کیونکہ تب یہ جاب میری کمزوری تھی اور میرے سر پر ذمہ داریوں کے پہاڑ تھے مگر آج حالات ویسے نہیں ہیں پھر اسے کیسے بخش دیتی۔

وہ ان چند لوگوں میں شامل ہے جن سے میں نے زندگی میں سب سے زیادہ نفرت کی ہے۔ مجھے لائبریری میں کہا گیا اس کا ایک ایک لفظ یاد ہے۔ میں آج بھی اس ایک ہفتے کو نہیں بھولی ہوں جب میں ہاسٹل کے کمرے میں چہرے پر تکیہ رکھ کر رویا کرتی تھی تا کہ میرے رونے کی آواز کسی اور تک نہ پہنچے نہ میں آج تک وہ شام بھولی ہوں جب میں ہاسٹل کی چھت سے چھلانگ لگا دینی چاہتی تھی۔ اس شخص نے کالج میں مجھے ذلیل کر دیا تھا۔ کیا چیز تھی جس کی اس کے پاس کمی تھی پھر بھی اس نے مجھے نیچا دکھانے کی کوشش کی تھی۔ میری ذات کو اس نے اپنے دوستوں کے سامنے چیس بورڈ بنانا چاہا تھا جس پر وہ اپنی مرضی کے مہرے اپنی پسند کے مطابق چلا سکے۔ کیا تھا میرے پاس، خوبصورتی نہ دولت نہ اس جیسی ذہانت نہ وہ فیملی بیک گراؤنڈ نہ اسٹیٹس نہ اس جیسی قابلیت، صرف عزت تھی اور وہ بھی وہ خاک میں ملا دینا چاہتا تھا اور اب وہ پھر میرے سامنے آ گیا ہے۔ پر اب میں سات سال پہلے کی کشف نہیں ہوں، اب مجھے کسی چیز کی پروا نہیں

ہے۔ میرے لیے یہی احساس کافی ہے کہ میں نے اپنی توہین کا بدلہ چکا دیا۔

26 مارچ

کتنی ضدی ہے یہ لڑکی اور کتنا بے وقوف ہوں میں جو پھر اس سے ملنے چلا گیا اور پھر احمقوں کی طرح سارا دن اس سے ملاقات کا انتظار کرتا رہا یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ مجھے جان بوجھ کر انتظار کروا رہی ہے۔ شرم آ رہی ہے مجھے اپنے آپ پر کہ میں کیا تھا اور کیا ہو گیا ہوں۔ میں ایک لڑکی سے اس قدر انسلٹ کروا رہا ہوں اور وہ بھی اس سے جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کالج میں مجھے اس پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا مگر میں نے اس پر ہاتھ اٹھایا اور آج مجھے اس کو منہ توڑ جواب دینا چاہیے تھا مگر میں ایسے ہی آ گیا۔ کس قدر زہریلے تھے اس کے الفاظ۔ کاش وہ جان پاتی میرے لیے تو وہ عذاب بن گئی ہے۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ جس شدت میں اس کا ذکر کرنے لگا ہوں کہیں میرا نروس بریک ڈاؤن ہی نہ ہو جائے۔

میں جانتا ہوں، میں اس سے محبت نہیں کرتا کیونکہ وہ اس قابل ہی نہیں ہے۔ میرے جیسا مرد اتنی عام سے لڑکی سے شادی یا محبت کیسے کر سکتا ہے، ہاں میرا دل چاہتا ہے میں اسے کوئی ایسی تکلیف یا نقصان پہنچاؤں جو وہ ساری زندگی یاد رکھے۔

31 مارچ

آج تیسری دفعہ زارون جنید سے میرا سامنا ہوا ہے اور میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ شخص اس قدر ڈھیٹ ہے۔

آج میں سر ابرار سے ملنے ان کے گھر گئی تھی، ہم لوگ چائے پی رہے تھے جب وہ آیا تھا میرے لیے اس کی آمد پریشان کن تھی۔

''السلام علیکم سر!'' وہ یہ کہہ کر میرے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''کیسی ہیں کشف آپ؟'' اس نے مجھے مخاطب کیا تھا اور میں اس کی بات ان سنی کر دی۔

''چائے پیو گے؟'' سر ابرار نے اس سے پوچھا تھا۔

''وائے ناٹ میں تو کھانا بھی کھا لوں گا اگر آپ کھلائیں گے تو۔''

سر ابرار نے ملازم کو بلوا کر ایک کپ اور لانے کو کہا تھا۔

"تمہاری پوسٹنگ ہو گئی ہے؟"

"ہاں ابھی فی الحال اسلام آباد ہی کروائی ہے، کچھ دنوں تک جا رہا ہوں۔"

"بہت احمق ہو۔ پاکستان میں پوسٹڈ ہو کر وقت ضائع کیوں کر رہے ہو؟" سر ابرار اسے ڈانٹ رہے تھے اور وہ مسکرا رہا تھا۔

"بس ایسے ہی سر! کچھ عرصہ پاکستان میں بھی گزارنا چاہتا ہوں۔ کشف آپ آج کل کیا کر رہی ہیں؟"

اس نے سر ابرار کے سوال کا جواب دیتے دیتے اچانک مجھ سے پوچھا تھا اور میرا جی چاہا تھا۔ چائے کا کپ اس کے منہ پر دے ماروں، وہ یوں پوز کر رہا تھا جیسے مجھ سے پہلی بار ملا تھا۔ اس بات کے جواب میں میں چائے کا کپ رکھ کر کھڑی ہو گئی۔

"او کے سر! اب میں چلتی ہوں۔" سر ابرار نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

"تمہارا! ارادہ تو آج یہاں سہ پہر تک رہنے کا تھا اور تمہیں لنچ بھی میرے ساتھ کرنا تھا۔ اب منہ اٹھا کر کھڑی ہو گئی ہو۔" سر ابرار ناراض ہو گئے تھے۔

"سر! مجھے کچھ کام یاد آ گیا ہے، اس لیے جانا چاہ رہی ہوں۔"

"تم شاید زارون کی وجہ سے جانا چاہ رہی ہو۔" سر ابرار اصل وجہ بھانپ گئے تھے۔

"نہیں سر! مجھے واقعی کچھ کام ہے۔" میں نے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

"بیٹھ جاؤ کشف! مجھے نہیں پتا تھا تم اتنی احمق ہو۔ میں تم دونوں کے درمیان وہ معاملہ ختم کروا چکا ہوں، اب تم لوگوں کو اچھے کلاس فیلوز کی طرح بی ہیو کرنا چاہیے بس اب بیٹھ جاؤ تم۔"

میں سر ابرار کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے خاموشی سے بیٹھ گئی۔ زارون بڑے اطمینان سے چائے کے سپ لے رہا تھا۔ سر ابرار نے ہم دونوں کا ایک دوسرے سے تعارف کروایا۔

"کالج کے بعد تو آج شاید پہلی بار ملاقات ہو رہی ہے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا اور اگر سر ابرار وہاں نہ ہوتے تو میں کچھ نہ کچھ اس کے سر پر ضرور دے مارتی۔

"ہاں شاید۔" میں نے ناگواری سے کہا تھا۔ کچھ دیر بعد جب سر ابرار کھانے کے بارے میں پتا کرنے کے لیے اٹھ کر گئے تو ان کے کمرے سے نکلتے ہی اس نے کرسی میری طرف گھمالی۔

"کیا حال چال ہیں آپ کے۔؟"

"میرے حال چال بالکل ٹھیک ہیں، خراب شاید تمہارے ہو جائیں اگر تمہارے یہی طور طریقے رہے تو۔"

وہ میری بات پر ہنس پڑا تھا۔ "ویری فنی اچھی لگی مجھے آپ کی بات۔"

"تم نے تو مجھے ایسی طاقت دکھائی تھی۔ میں تو اس دن سے اپنی معطلی کے آرڈرز کے انتظار میں تھی۔"

میں نے اس پر طنز کیا تھا مگر وہ پھر ہنس پڑا۔

"یار! وہ بس غصے میں۔"

"مجھے یار مت کہو، اس قسم کی بے ہودہ گفتگو پسند نہیں ہے مجھے۔"

"اوکے اوکے۔" اس نے مصالحانہ انداز میں ہاتھ اٹھائے تھے۔

"مس کشف مرتضیٰ بلکہ یور ایکسیلنسی مس کشف مرتضیٰ اب ٹھیک ہے؟"

اس سے پہلے کہ میں کوئی جواب دیتی، سر ابرار کمرے میں آ گئے تھے۔ لنچ کے بعد میں وہاں سے واپس آ گئی تھی۔

یہ شخص میری سمجھ سے بالاتر ہے اور اس کا رویہ اس سے بھی عجیب ہے کس قدر احمق اور بدقسمت ہے اس کی بیوی جسے ایسا شوہر ملا ہے مکمل کرپٹ اور بڑی حد تک کمینہ۔

اپریل

آج کا دن بڑی ٹینشن میں گزرا اور اس کا آغاز اس وقت ہوا جب ناشتے کے بعد ماما میرے پاس آئیں تھیں۔ میں اس وقت ٹیرس پر بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔

"ہاں تو زارون! کیا سوچا ہے تم نے؟" انہوں نے میرے پاس بیٹھتے ہی بات شروع کر دی تھی۔

"کس بارے میں؟" مجھے حقیقتاً حیرت ہوئی تھی کہ وہ کس بارے میں بات کر رہی ہیں۔

"تمہاری شادی کے بارے میں اور کس چیز کے بارے میں، تمہارے سب دوستوں کی شادی ہو چکی ہے اب تمہاری سب دوستوں کی شادی ہو چکی ہے اب تمہاری بھی ہو جانی چاہیے، ویسے بھی ابھی تم پاکستان میں ہو اور شادی کے لیے اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر اخبار سامنے ٹیبل پر رکھ دیا۔

''تمہیں اس کے فیملی بیک گراؤنڈ سے مطلب ہو یا نہ ہو مجھے اس سے شادی کرنی ہے اس کی فیملی سے نہیں اور پھر شادی کے بعد وہ ہماری فیملی کا حصہ بن جائے گی۔''

''تمہیں اس کے فیملی بیک گراؤنڈ سے مطلب ہو یا نہ ہو مجھے ہے۔ ہمیں اسی سوسائٹی میں رہنا ہے۔ ہمارا ایک اسٹیٹس ہے۔ ایک سوشل سرکل ہے۔ اسے کیسے متعارف کروائیں گے ہم جب لوگ پوچھیں گے کہ اپنے ہونہار لائق سپوت کے لیے کون سا ہیرا پسند کیا ہے آپ نے اور جب لوگ تم سے پوچھیں گے کہ تم اس کو کون سی خوبی پر عاشق ہوئے ہو تو کیا کہو گے؟ اس کی معمولی شکل پر ''معمولی حیثیت پر یا مڈل کلاس پر؟ بتاؤ کیا کہو گے۔'' ماما کا لہجہ بہت خشک تھا۔

''اس کے بے داغ کردار پر۔'' میں نے اتنی ہی تیزی سے کہا تھا۔

''ہاہ! بے داغ ماضی اور بے داغ کردار پر مڈل کلاس کی لڑکیاں اپنی پارسائی کے بس ڈھونگ ہی کرتی ہیں۔ کچھ اور نہیں ہوتا اس لیے تم جیسوں کو پھانسنے کے لیے یہ حربہ ہی استعمال کرتی ہیں۔ ارے کیسا بے داغ کردار ہے اس کا کہ تمہیں پھانس لیا۔ اگر اتنی ہی پارسا ہوتی تو تم سے ملنا تو ایک طرف تمہاری شکل بھی نہ دیکھتی کہاں یہ کہ رومانس فرما رہی ہے۔ کیا بے داغ کردار ہے۔''

''تب آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ وہ آپ کے بیٹے کا منہ بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔ آپ کے اس اعلیٰ وارفع بیٹے کا اور آپ کو یہ جان کر مزید خوشی ہوگی کہ وہ مجھے نہیں پھانس رہی ہے میں اسے پھانس رہا ہوں۔''

''جب وہ تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی تو تم سے شادی کیسے کرے گی؟'' ماما نے مجھ پر طنز کیا تھا۔

''یہ آپ کا نہیں میرا مسئلہ ہے۔'' میں نے ان کے طنز کو نظر انداز کر دیا۔

''اس میں ایسا ہے کیا جو تم اس طرح پاگل ہو رہے ہو؟''

''جو پسند آیا تھا۔ وہ آپ کو بتا دیا ہے ویسے یہ سوال آپ نے کبھی میرے بھائیوں سے نہیں کیا جب انہوں نے لو میرج کی تھی۔''

''تم اپنے بھائیوں کا کشف کے ساتھ موازنہ مت کرو کیونکہ ان کے درمیان کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے اور تمہارے بھائیوں نے لو میرج کرتے وقت تمہاری طرح آنکھیں بند کر کے عشق نہیں فرمایا تھا۔ انہوں نے ہر چیز کا خیال رکھا تھا۔''

"انہوں نے محبت نہیں بزنس کیا تھا مگر میں بزنس نہیں کروں گا میں ہر قیمت پر کشف ہی سے شادی کروں گا۔"

وہ میری بات پر یک دم کھڑی ہو گئیں۔

"میرے خیال میں اس بارے میں تم اپنے ڈیڈی سے بات کرو تو ٹھیک ہے۔ شاید وہ تمہیں وہ سب سمجھانے میں کامیاب ہو جائیں جو میں نہیں سمجھا سکتی۔"

"کوئی مجھے کچھ بھی سمجھا نہیں پائے گا۔ میں اپنا فیصلہ نہیں بدلوں گا۔"

"ٹھیک ہے تم فیصلہ نہیں بدلو گے تو پھر اس لڑکی یا ہم میں سے کسی ایک چیز کا انتخاب کر لینا۔"

وہ بڑے غصے میں یہ کہہ کر میرے کمرے سے نکل گئیں۔

میں جانتا تھا کہ ماما آج ہی سب کچھ ڈیڈی کو بتا دیں گی اور ڈیڈی کو کسی صورت میں قائل نہیں کر سکتا تھا۔ صرف سر ابرار تھے جو یہ کام کر سکتے تھے۔ میں سر ابرار سے بات کرنے یونیورسٹی چلا گیا۔ مجھے دیکھ کر وہ حیران ہوئے تھے۔

"سر! کیا آپ میرے ساتھ گھر چل سکتے ہیں۔"

"کیوں بھئی، ایسی کیا بات ہوگئی ہے؟"

"پلیز، یہاں مجھ سے کچھ نہ پوچھیں۔ میرے ساتھ چلیں، میں گاڑی میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔" پتا نہیں میرے لہجے میں کیا تھا کہ وہ میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئے مگر گاڑی میں بیٹھتے ہی انہوں نے کہا۔

"ہاں بھئی۔ کیا معاملہ ہے۔"

"سر! میری شادی کا معاملہ ہے۔"

"تو اس میں تم مجھے کیوں انوالو کر رہے ہو؟ اور کیا اتنی معمولی سی بات کے لیے مجھے لے کر آئے ہو۔" وہ کافی ناراض ہو گئے تھے۔

"سر! یہ اہم مسئلہ ہے۔ میں اپنی مرضی سے شادی کرنا چاہتا ہوں اور ماما اس پر تیار نہیں ہیں۔ انہوں نے مجھے گھر سے نکال دینے کی دھمکی دی ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ آج لنچ پر ہی ڈیڈی سے بات کر لیں گی۔ اس لیے میں آپ کو لنچ سے پہلے لایا ہوں۔" میں نے انہیں پوری بات بتا دی۔

"کس سے شادی کرنا چاہتے ہو تم کہ بھابھی تمہیں گھر سے نکال دینا چاہتی ہیں۔"

میں نے جھجکتے ہوئے کشف کا نام لے دیا۔

"کیا؟ کشف مرتضٰی سے شادی کرنا چاہتے ہو؟" میں نے ان کے سوال پر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اس کشف سے جس پر تم نے ہاتھ اٹھایا تھا، جو تمہارے نزدیک معمولی شکل و صورت کی عام سی لڑکی تھی۔ زارون کیا! تم مذاق کر رہے ہو؟" انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ وہ سب ماضی کا حصّہ ہے میں اسے واقعی پسند کرتا ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"اور یہ پسندیدگی میرے گھر پر ہونے والی ملاقات کے بعد شروع ہوئی ہوگی۔" انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا تھا میں ہنس پڑا۔

"اوہ نو۔ میں اس سے پہلے بھی دوبار مل چکا ہوں۔ آپ کے گھر پر تو تیسری ملاقات ہوئی تھی۔"

"واٹ۔" وہ بے اختیار بول اٹھے۔ "تم نے مجھے نہیں بتایا اور اس نے بھی ظاہر نہیں کیا۔ تم دونوں نے مجھے بے وقوف بنایا۔"

"نہیں، ایسا نہیں ہے وہ ملاقاتیں اتنی اچھی نہیں تھیں کہ ان کے بارے میں بتایا جاتا۔" میں نے اپنی پوزیشن کلیئر کی۔

"تم نے کشف سے اس معاملے میں بات کی۔"

"پہلے اپنے والدین سے تو بات کرلوں پھر اس سے بھی کرلوں گا۔"

"اس کا مطلب ہے وہ تم سے شادی پر تیار ہے۔" انہوں نے میری بات کا الٹا مطلب لیا۔

"شادی تو دور کی بات ہے، وہ تو میری شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی مگر ظاہر ہے اس کے والدین میرے جیسا پرپوزل کہاں رد کرسکتے ہیں۔" میں نے ان کے ساتھ ساتھ خود کو بھی تسلی دی تھی۔

"اگر وہ تمہاری شکل دیکھنے پر تیار نہیں ہے تو شادی کے لیے کیسے رضامند ہوگی، پھر تمہیں یہ خوش فہمی کیوں ہے کہ اس کے والدین تمہارا پرپوزل رد نہیں کرسکتے۔ وہ ماں باپ پر انحصار کرنے والی کوئی سولہ سترہ سال کی لڑکی نہیں ہے، میچور ہے، ایک اچھے عہدے پر فائز ہے، اس کے والدین اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کرسکتے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی کہیں منگنی ہوچکی ہو۔ اس لیے بہتر ہے کہ پہلے تو کشف سے بات کرلو، یہ نہ ہو کہ تمہارے والدین

تمہیں مشکل وقت صرف کہنا آتا ہے کبھی مشکل وقت دیکھا ہے تم نے؟ کبھی کوئی تنگی دیکھی ہے؟ کسی چیز کے لیے دل مارنا پڑا تمہیں۔ تمہیں معلوم ہے ایک سال میں کتنا خرچ کرتے ہو تم، یہ جو کپڑے ہیں نا تمہارے جسم پر یہ تمہاری دو ماہ کی تنخواہ کے برابر کی قیمت کے ہیں اور یہ جو گھڑی باندھی ہوئی ہے نا تم نے اس کی قیمت تمہاری چھ ماہ کی تنخواہ کے برابر ہے۔ بات کرتے مشکل وقت گزارنے کی۔ ذرا اپنے ایک ماہ کے اخراجات کی لسٹ تو بناؤ اور دیکھو کہ تمہاری تنخواہ سے ان میں سے کون سے اخراجات پورے ہو سکتے ہیں۔ اپنی تنخواہ سے تو تم ایک دن نہیں گزار سکتے آخر کون کون سی شاہ خرچیاں چھوڑو گے۔"

"ٹھیک ہے آپ نے مجھے بہت کچھ دیا ہے مگر آپ نے یہی سب کچھ اپنی دوسری اولاد کو بھی دیا ہے۔ مجھے دوسروں سے زیادہ کچھ نہیں دیا اور پھر آپ کے پاس دولت تھی تو آپ نے مجھے آسائشات دیں نہ ہوتیں تو کبھی نہ دیتے اور کوئی اتنا بڑا احسان نہیں کیا آپ نے، سب ماں باپ اپنی اولاد کے لیے یہی سب کچھ کرتے ہیں، میں بھی کروں گا۔

لیکن میں آپ کو صاف صاف بتا رہا ہوں میں یہ فیصلہ اپنی مرضی سے کروں گا۔ میں اپنی زندگی کو اپنے طریقے سے گزاروں گا۔ آپ اگر......"

"ٹھیک ہے جیسا تم چاہتے ہو ویسا ہی ہو گا۔ اب یہاں سے چلے جاؤ۔" ڈیڈی نے میری بات کاٹ کر بڑی درشتگی سے مجھ سے کہا تھا۔

"آپ مجھے۔" میں نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی مگر انہوں نے میری بات دوبارہ کاٹ دی۔

"تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری مزید بکواس سننے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔ اب یہاں سے جاؤ۔"

میں بڑی خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر کمرے میں آ گیا تھا۔

بہت عجیب سے جذبات ہیں اس وقت میرے، مجھے ان کی اس رضامندی کی ذرا سی خوشی نہیں ہے۔ میں نے انہیں بہت ہرٹ کیا ہے میں ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا مگر پتا نہیں ایسا کیسے ہو گیا۔ شادی کے لیے کشف کیوں میرے ذہن میں آئی؟ مجھے یہ بھی پتا نہیں۔

بہت سی چیزیں، بہت سی باتیں، بہت سے فیصلے بس ایسے ہی ہو جاتے ہیں نہ جانتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے۔

20 اپریل

میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ سات سال بعد یہ شخص زارون جنید میرے لیے دوبارہ عذاب بن جائے گا۔ اس قدر ڈھیٹ اور کمینہ آدمی میں نے پوری زندگی میں نہیں دیکھا۔

آج میں بہت تھکی ہوئی تھی۔ ایک بڑے سیاسی لیڈر کی پبلک میٹنگ کے انتظامات کا جائزہ لے کر آئی تھی۔ جب غیر متوقع طور پر امی کا فون آ گیا۔ امی نے میری خیریت پوچھتے ہی مجھ سے کہا تھا۔

"تمہارے لیے ایک بہت اچھا رشتہ آتا ہے۔"

ان کی بات مجھے غیر معمولی نہیں لگی۔ میں جانتی تھی کہ آج کل وہ میرے رشتے کے بارے میں کافی فکر مند رہتی ہیں۔

"وہ لوگ بہت اعلیٰ خاندان کے ہیں۔ میں تو حیران ہوں کہ ہمارے گھر آ کیسے گئے۔" امی نے لمبی تمہید باندھنا شروع کی۔

"امی پلیز! مختصر بات کریں۔ تعریفوں کے اتنے لمبے پل مت باندھیں۔" میں کھانا کھا کر جلد از جلد سو جانا چاہتی تھی۔

"وہ لوگ لاہور سے آئے ہیں۔ ان کا بہت بڑا کاروبار ہے۔ یہ ان کا سب چھوٹا بیٹا ہے۔ تمہارے والے مضمون میں ہی ایم اے کیا ہے اس نے بھی اور آج کل وزارت خارجہ میں افسر ہے۔ اسلام آباد میں ہوتا ہے، وہ اپنا کارڈ بھی دے کر گئے ہیں اور لڑکے کا نام......"

"زارون جنید ہے۔ ہے نا۔" میں تب تک جان چکی تھی کہ وہ کون ہو سکتا ہے۔

امی حیران ہوئی تھیں۔ "تمہیں کیسے پتا؟"

"آپ ایسا کریں کہ کارڈ سے اس کے گھر کا نمبر مجھے بتائیں اور اس رشتہ کو بھول جائیں۔"

"کشف! تم کیا کرنا چاہتی ہو؟" امی پریشان ہو گئی تھیں۔

"کچھ بھی نہیں، آپ بس نمبر مجھے لکھوا دیں۔"

کچھ توقف کے بعد انہوں نے مجھے فون نمبر لکھوا دیا تھا۔ پھر میں اس فون نمبر پر رنگ کرتی رہی۔ چند بار نمبر ملانے کے بعد نمبر مل ہی گیا تھا۔ کسی نے فون اٹھایا تھا میں نے نمبر دہرا کر پوچھا۔

"جی جہاں، آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟" اس شخص نے کہا۔

"زارون اگر گھر پر ہے تو اسے بلا دیں۔"

”جی وہ گھر پر ہیں۔ آپ کون ہیں؟“

”میرا نام صائمہ ہے، میں ان کی دوست ہوں۔“

وہ مجھے ہولڈ کرنے کا کہہ کر چلا گیا۔ کچھ دیر کے بعد ریسیور میں جو آواز ابھری تھی۔ اسے سن کر پہچاننے میں مجھے کوئی دقت نہیں ہوئی وہ زارون تھا۔

”ہیلو۔ آپ کون ہیں؟“ کچھ دیر کے لیے تو میں طیش کے مارے کچھ بول ہی نہیں پائی، پھر میں نے اس سے کہا۔

”تمہاری اتنی ہمت کیسے ہوئی کہ تم اپنے والدین کو میرے گھر بھیجو۔“

”اوہ یہ تم ہو۔“ اس کی آواز ایک دم آہستہ ہو گئی تھی، میں تمہارا فون آنے کی توقع تو کر رہا تھا مگر اتنی جلدی نہیں۔ دیکھو، میں اس وقت کھانا کھا رہا ہوں۔ تم کچھ دیر بعد مجھے رنگ کرنا۔“

”میں تمہیں دوبارہ فون نہیں کروں گی۔ مجھے صرف یہ بتانا تھا کہ آئندہ اپنے والدین کو ہمارے گھر مت بھیجنا۔“

”اس مسئلے پر کچھ دیر بعد بات کریں گے۔ چلو میں خود تمہیں رنگ کر لوں گا۔“

میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد اس نے مجھے فون کیا تھا۔

”تم نے فون کر ہی لیا ہے تو میں اپنی بات دہرا دیتی ہوں۔ اپنے ماں باپ کو اب میرے گھر مت بھیجنا۔“

”کیوں؟“

”وہ میرا گھر ہے اور میں وہاں فضول لوگوں کا آنا جانا پسند نہیں کرتی۔“

”وہ تمہارا گھر نہیں ہے، تمہارا گھر وہ ہے، جو میرا گھر ہے جہاں تک والدین کو روکنے کی بات ہے تو وہ میں نہیں کر سکتا، انہیں میری شادی کرنا ہے اب یہ ان کی مرضی کہ وہ رشتہ لے کر کہاں جاتے ہیں۔“

مجھے اس کی بات پر بے تحاشا طیش آیا تھا۔

”اب اگر وہ ہمارے گھر آئے تو میں ان کی بہت انسلٹ کروں گی۔“

”تم ایسا نہیں کر سکتیں۔“

”انہیں میرے گھر بھیج کر دیکھ لینا کہ میں ایسا کر سکتی ہوں یا نہیں۔“

میں نے فون بند کر دیا۔ اس نے دوبارہ رنگ کرنے کی کوشش نہیں کی اور میں نے

کم از کم اس بات پر سکون کا سانس لیا تھا۔

میں نہیں جانتی تھی کہ یہ شخص اس قدر ڈھیٹ ہے اور مجھے حیرت ہے کہ اس نے میرے گھر کا پتا کہاں سے لیا ہے۔ پہلے بھی مجھے اس کی وجہ سے پریشانی اٹھانی پڑی تھی۔ اب پھر وہ میرے لیے مصیبت بن گیا ہے، پتا نہیں خدا مجھے پر سکون کیوں نہیں رہنے دیتا۔ ہر آدمی کو کبھی نہ کبھی تو آرام مل ہی جاتا ہے مگر میرے نصیب میں تو شاید یہ ہے ہی نہیں۔

25 اپریل

کچھ دن اتنے خوبصورت ہوتے ہیں کہ آپ کو ہمیشہ یاد رہتے ہیں حالانکہ آپ کو ظاہراً ان دنوں میں کچھ نہیں ملتا۔ آج کا دن بھی ایسا ہی تھا آج پہلی بار میں کشف کو جھکانے میں کامیاب ہوا ہوں اور اس خوشی، کو اس احساس کو میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔

آج سر ابرار نے کشف کو اپنے گھر بلایا تھا۔ میں صبح سے ان کے پاس تھا کیونکہ کشف نے اپنے آنے کا وقت نہیں بتایا تھا۔ جب ملازم نے اس کے آنے کی خبر دی تو سر ابرار نے مجھے ساتھ والے کمرے میں بھیج دیا۔ میں ایک چیئر اٹھا کر اس کمرے کے دروازے کے پاس لے آیا اور دروازے کو تھوڑا سا کھول دیا تاکہ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سن سکوں جہاں میں بیٹھا تھا وہاں سے اس کی پشت صاف نظر آ رہی تھی۔ لیکن وہ مجھے نہیں دیکھ سکتی تھی سو میں خاصا بے فکر تھا۔

رسمی بات چیت کے بعد سر ابرار سے اس نے اس بلاوے کی وجہ پوچھی تھی۔

"کشف ایک دن پہلے زارون کے پیرنٹس تمہارے گھر گئے تھے؟"

سر ابرار نے بات شروع کی۔ میں اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن اس کے بولنے سے اندازہ ہوا کہ وہ کافی حیران تھی۔

"سر! آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"انہیں میں نے ہی تمہارے گھر بھیجا تھا۔"

"تو پھر آج بھی آپ نے مجھے اسی لیے بلایا ہوگا۔"

"ہاں۔ میں نے تمہیں یہ جاننے کے لیے بلایا ہے کہ تم انکار کیوں کر رہی ہو؟"

"سر! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں انکار کیوں کر رہی ہوں اور مجھے آپ سے کم از کم یہ توقع نہیں تھی کہ آپ اس کی سفارش کریں گے۔"

اس کے لہجے میں شکایت کا عنصر نمایاں تھا۔

"دیکھو کشف! اگر تمہارے انکار کی وجہ صرف وہ واقعہ ہے تو یہ کوئی وجہ نہیں ہے۔ وہ سب ماضی کا حصہ ہے اور ماضی کو بھلا دینا بہتر ہوگا۔ پھر اس نے تب بھی تم سے معافی مانگی تھی اور اب بھی اگر تم چاہو تو وہ دوبارہ معذرت کرنے کے لیے تیار ہے اس ایک بات کے علاوہ تم کس بنیاد پر یہ پرپوزل ریجیکٹ کر رہی ہو؟"

سر ابرار اسے قائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"سر! آپ اس کی طرف داری کیوں کر رہے ہیں؟"

"کیونکہ وہ میرا اسٹوڈنٹ ہے اور تم بھی اور ہر ٹیچر اپنے اسٹوڈنٹس کی بہتری ہی چاہتا ہے اور پھر میں اس سے زیادہ تمہاری بہتری کے لیے سوچ رہا ہوں۔ تمہیں اس سے اچھا شخص نہیں ملے گا۔"

"آپ اسے اچھا کیوں کہہ رہے ہیں۔ کیا صرف دولت اور خوبصورتی کی وجہ سے یہ دونوں چیزیں کبھی مجھے انسپائر کرتی تھیں۔ اب نہیں اب میری زندگی میں ان کی اہمیت کافی کم ہو چکی ہے اور اس پرپوزل سے انکار کی واحد وجہ وہ واقعہ نہیں ہے اور بھی بہت سی وجوہات ہیں۔ سر! میں بہت عملی اور حقیقت پسند ہوں میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں جو صرف یہ دیکھ کر شادی کر لیتی ہیں کہ امیر بندے سے شادی کر کے وہ مڈل کلاس سے اپر کلاس میں چلی جائیں گی۔ میری بہنوں کی شادی وہاں ہوئی ہے جہاں بے تحاشا پیسہ نہیں ہے مگر وہاں ان کی عزت اور قدر ضرور کی جاتی ہے انہیں یہ فکر نہیں ہے کہ پتا نہیں ان کا شوہر کہاں ہوگا؟ کس کے ساتھ ہوگا کیا کر رہا ہوگا؟ انہیں یہ مسئلہ نہیں ہے کہ ان کے شوہر کے افیئرز ہیں یا ایسی دوسری چیزیں اور آپ زارون کو لیں۔ میں ایسے بندے سے شادی کیسے کر سکتی ہوں جس کا ماضی میرے سامنے ہے، جو عورت کو وقت گزارنے کا ذریعہ سمجھتا ہے جو عورت کی عزت کرنا نہیں جانتا، آپ کہیں گے وہ بدل گیا ہے میں کہتی ہوں وہ نہیں بدلا نہ بدل سکتا ہے پھر میرے اور اس کے خاندان کے درمیان کوئی میچ نہیں ہے یہ طبقاتی فرق میرے لیے ہمیشہ عذاب رہے گا۔

میں مڈل کلاس سے تعلق رکھتی ہوں اور وہ یہ بات کبھی نہیں بھلا سکیں گے۔ میری ہر غلطی کو وہاں ایکسپلائٹ کیا جائے گا۔ ہر بات پر نکتہ چینی کی جائے گی۔ انسان اپنی زندگی کو آسان بنانے کے لیے شادی کرتا ہے مزید مشکل بنانے کے لیے نہیں۔ سو میں زارون سے شادی نہیں کر سکتی۔"

وہ اپنی بات کہہ کر خاموش ہو گئی۔ سر ابرار بھی چپ تھے۔ میں دروازہ کھول کر اسٹڈی میں آ گیا۔

کشف نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔

"کشف! کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم خود زارون سے بات کرلو۔" سر ابرار مجھے دیکھ کر بولے تھے۔

"اب کسی بات کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ سب کچھ سن چکا ہے اور وہ مجھے قائل نہیں کر سکتا۔"

میں اس کی بات پر حیران رہ گیا تھا وہ میری موجودگی سے باخبر تھی اور سر ابرار مجھ سے زیادہ حیران تھے۔ میں کرسی کھینچ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"ہاں میں تمہاری ساری باتیں سن چکا ہوں اور تم بھی مجھے قائل نہیں کر سکیں۔ تمہاری ساری وجوہات تمہارے ذاتی مفروضات پر مبنی ہیں اور زندگی مفروضات کے سہارے نہیں گزاری جا سکتی۔"

اس نے میری طرف دیکھا نہ میری بات کا جواب دیا بس کار کی رنگ سے ٹیبل کو کھرچتی رہی۔

"تم دونوں بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔"

سر ابرار وہاں سے چلے گئے۔ ان کے باہر جاتے ہی اس نے کہا۔

"دیکھو جو میرا فیصلہ تھا، وہ میں سنا چکی ہوں پھر بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"دیکھو کشف! میں ویسا نہیں رہا جیسا پہلے تھا۔ میں واقعی بدل چکا ہوں۔ کسی کو بدلنے کے لیے ایک لمحہ بھی کافی ہوتا ہے تو کیا مجھے بدلنے کے لیے سات سال کافی عرصہ نہیں ہے؟ میں جانتا ہوں میں پرفیکٹ نہیں ہوں۔ تم بھی پرفیکٹ نہیں ہو، کوئی بھی پرفیکٹ نہیں ہوتا۔ بس کچھ لوگ دوسروں سے بہتر ہوتے ہیں اور کچھ بدتر۔ تمہارے نزدیک میں بہتر نہیں ہوں، اپنی نظر میں میں بدتر نہیں ہوں اور تمہارے نزدیک کلاس کب سے اہم ہونے لگی؟ تم تو کہا کرتی تھیں کہ شرم اس بات پر آنی چاہیے اگر آپ برے کام کریں۔ آپ چور ہوں، کسی کو تکلیف پہنچائیں، کسی کو قتل کر دیں۔ اس پر نہیں کہ آپ غریب ہیں۔ تمہارے نزدیک تو میری کلاس عزت کے قابل بھی نہیں تھی پھر آج یہ تبدیلی کیوں؟"

"صرف میرے کہنے سے کیا ہوتا ہے عزت کے قابل صرف تم لوگوں کو ہی سمجھا جاتا ہے۔" اس کا انداز پھر وہی تھا۔

"لیکن میں تم سے محبت کرتا ہوں۔"

''ایک پیدائشی فلرٹ کے منہ سے یہ باتیں اچھی نہیں لگتیں۔'' وہ میری بات پر غرائی تھی۔

''ایسی لڑکیوں کی تعداد ہزاروں میں نہیں تو سینکڑوں میں ضرور ہو گی جن سے تم یہی جملہ کہہ چکے ہوں۔''

''لیکن تم سے میں سچی محبت کرتا ہوں۔''

''سچی محبت یہ بھی تم بہت لڑکیوں سے کر چکے ہو۔ تم جیسا شخص جب یہ بات کرتا ہے تو مجھے ہنسی آتی ہے۔ تم ہر لڑکی کو ایک ہی سبز باغ دکھانے بیٹھ جاتے ہو۔''

''میں اب بھی یہی کہوں گا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

میں نے بڑے اطمینان سے اپنی بات دہرا دی۔

''دیکھو میں کوئی ٹین ایجر نہیں ہوں، جسے تم ان باتوں سے بہلاؤ اور وہ بہل جائے۔ کیا ہوتی ہے یہ محبت اور بقول تمہارے سچی محبت۔ ہمارے مذہب اور معاشرے دونوں میں کہاں اس کی گنجائش ہے۔ ایک ڈھونگ رچایا ہوتا ہے تم لوگوں نے لڑکیوں کو فلرٹ کرنے کے لیے دھوکا دینے کے لیے اور تم انہیں بے وقوف بنانے میں کامیاب رہے ہو۔ لیکن اس تم کی سچی محبت کی نہ مجھے ضرورت ہے اور نہ کوئی اہمیت ہے۔ سو بہتر ہے یہ ڈھونگ تم کسی اور کے سامنے کرو۔''

اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا مگر مجھے اس کی باتیں بری نہیں لگیں۔

''تم نے جو کچھ کہا میں اس سے انکار نہیں کرتا۔ سوائے اس بات سے کہ میں تم سے فلرٹ کر رہا ہوں۔ جو فلرٹ کرتے ہیں، وہ نہ تو اپنے پرپوزل بھیجتے ہیں اور نہ اس طرح اپنی انسلٹ برداشت کرتے ہیں، میرے بارے میں تم نے جو کچھ کہا وہ ٹھیک ہے۔ ظاہر ہے تم میرے ساتھ پڑھتی رہی ہو سو میرے ماضی سے واقف ہو۔ تمہارے خیال میں میں نہ تو شریف ہوں نہ عورت کی عزت کرتا ہوں لیکن کیا تم یہ بات یقین سے کہہ سکتی ہو کہ جس شخص سے تم شادی کرو گی، وہ پارسا ہو گا اسے عورت کی عزت کرنا آتا ہو گا اس کا نہ تو کبھی کوئی افیئر رہا ہو گا نہ ہی اس نے کبھی کسی لڑکی کی طرف غلط نظر سے دیکھا ہو گا نہیں کشف! تم کبھی بھی یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتیں۔ ہو سکتا ہے تمہارا شوہر تم سے اپنا ماضی چھپائے۔ تمہارے سامنے وہ خود کو بڑا اچھا ظاہر کرے۔ جیسے میں اپنی بیوی سے اپنا ماضی چھپاؤں گا اور وہ مجھے بہت اچھا سمجھے گی جب تک کہ میری کوئی غلطی اس کے سامنے نہ آ گئی۔ کیا تم بھی یہی نہیں کرو گی۔ مجھ پر تمہیں اس لیے اعتراض ہے کہ تم میرے ماضی سے واقف ہو، اپنے شوہر پر

اس لیے اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ اس کا ماضی تم سے پوشیدہ ہوگا اور اگر کبھی اس کے خراب ماضی کے بارے میں جان گئیں تو پھر کیا کرو گی کیا اسے چھوڑ دو گی یا معاف کر دو گی؟ کیا اس وقت تمہیں یاد نہیں آؤں گا۔ کیا تم یہ نہیں کر سکتیں کہ میرے ماضی کی غلطیوں کے لیے مجھے معاف کر دو۔ میں غلطیوں سے سیکھنے والا آدمی ہوں اور جس عمر میں تم سے یہ کہہ رہا ہوں وہ تو جذباتی بھی نہیں ہے اور تو بی ویری فرینک میں نے کبھی کسی عورت کو خراب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں عورت کی عزت نہیں کرتا تھا اور اب بھی نہیں کرتا ہوں مگر میرا رومانس یا افیئر صرف یہیں تک ہوتا تھا کہ میں لڑکیوں کو تحائف دیتا، چند ڈائیلاگ بول لیتا، ڈرائیو پر لے جاتا یا کسی ہوٹل میں ڈنر کے لیے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ میں نے کبھی آخری حد پار کرنے کی کوشش نہیں کی۔ کچھ پابندیاں میں نے خود پر لگا رکھی تھیں اور وہ آج بھی ہیں۔ مجھے اپنا کیریئر بنانا تھا اور غلط چیزوں میں پڑ کر میں اسے تباہ کر بیٹھتا اور میں یہ نہیں چاہتا تھا ہو سکتا ہے تمہیں میری باتوں پر یقین نہ آئے لیکن میں سچ کہہ رہا ہوں۔

لیکن اگر تم میرا پرپوزل ریجیکٹ کر دو گی تو کیا ہوگا یہ بیسویں صدی ہے جوگ لینے کا زمانہ تو نہیں ہے۔ شادی تو مجھے کرنا ہی ہے آج نہیں تو چند سال بعد سہی، تمہارے جیسی کوئی لڑکی مجھے مل ہی جائے گی کیونکہ تم دنیا میں واحد اچھی لڑکی نہیں ہو۔ ہاں مگر میں تمہیں مس ضرور کروں گا کیونکہ اس میں ہر خوبی سہی پھر بھی وہ کشف نہیں ہوگی۔ اپنے دل سے میرے خلاف میل دور کر کے دیکھو شاید تمہیں فیصلے میں آسانی ہو پھر اگر تم نے میرے حق میں فیصلہ نہ بھی کیا تب بھی میں تمہیں دوبارہ تنگ نہیں کروں گا لیکن ایک دفعہ پوری غیر جانبداری سے میرے بارے میں سوچو۔

"کیا کہا ہے اس نے؟"

"ابھی تو کچھ نہیں کہا۔ میں نے اسے سوچنے کے لیے وقت دیا ہے۔"

پھر انہیں وش کرتا ہوا میں گھر آ گیا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد سر ابرار نے مجھے فون کیا تھا۔

"زونی! اب تم آئندہ میرے گھر مٹھائی لے کر آنا۔" انہوں نے چھوٹتے ہی...... کہا تھا۔

"مٹھائی کس لیے؟" میں کچھ حیران ہوا۔

"بھئی کشف مان گئی ہے اس لیے۔"

"واہ اتنی جلدی؟" میں حیران رہ گیا تھا۔

''اتنی جلدی سے تمہارا کیا مطلب ہے؟ کیا وہ پانچ دس سال کے بعد کچھ کہتی۔''
''سر! اس نے کہا کیا ہے؟'' میں کافی بے چین تھا۔
''اس نے کہا ہے کہ تم اپنا پرپوزل بھیجو، اگر اس کے والدین کو مناسب لگا تو ٹھیک ہے، وہ انکار نہیں کرے گی۔''
سر ابرار نے مجھے بتایا تھا، میں نے شکریہ ادا کر کے فون رکھ دیا۔ پھر شام کو میں نے کشف کو فون کیا تھا۔ وہ واپس فیصل آباد پہنچ چکی تھی۔ اس کا شکریہ ادا کرنے کے بعد میں اس سے کچھ اور باتیں کرنا چاہتا تھا مگر اس نے اپنی مصروفیت کا کہہ کر فون بند کر دیا اور اب ڈائری لکھتے ہوئے میں سوچ رہا ہوں کہ وہ اتنی بری بھی نہیں ہے۔

25 اپریل

آج میں نے اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کیا ہے۔ شادی کرنے کا فیصلہ اور وہ بھی اس شخص سے جو چند دن پہلے میرے لیے سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھا۔ کالج میں وہ مجھے کبھی کسی بات پر قائل نہیں کر سکا حالانکہ وہ ہمیشہ دلائل کے ساتھ بات کیا کرتا تھا مگر آج پہلی دفعہ اس کی باتوں نے مجھے قائل کیا ہے۔
آج جب میں سر ابرار کے گھر گئی تو نہ تو مجھے یہ توقع تھی کہ وہاں میری ملاقات اس سے ہوگی اور نہ ہی مجھے یہ اندازہ تھا کہ سر ابرار مجھ سے اس موضوع پر بات کریں گے۔ حیرت کا پہلا جھٹکا مجھے تب لگا جب ملازم نے مجھے لاؤنج میں بٹھایا اور کہا کہ میں سر ابرار کو بتا کر آتا ہوں۔ پہلے وہ مجھے ہمیشہ سیدھا اسٹڈی میں لے جایا کرتا تھا۔
پھر تھوڑی دیر بعد وہ مجھے لے کر اسٹڈی میں گیا۔ اسٹڈی میں داخل ہوتے ہی میں جان گئی تھی کہ زارون وہاں ہے کیونکہ کالج سے لے کر اب تک وہ ایک ہی پرفیوم استعمال کرتا رہا تھا اور اس وقت بھی اسٹڈی میں اسی پرفیوم کی خوشبو تھی لیکن وہ مجھے اسٹڈی میں نظر نہیں آیا۔ پھر جب میں کرسی پر بیٹھی تو ٹیبل پر مجھے جو کار کی رنگ نظر آیا وہ اسی کا تھا۔ میں اسے دیکھتے ہی پہچان گئی تھی کیونکہ جب وہ میرے آفس آیا تھا تو اس نے یہی کی رنگ میری میز پر رکھ دیا تھا۔
ٹیبل پر کافی کے دو کپ تھے۔ ایک سر ابرار کے سامنے تھا اور دوسرا ان کے بالمقابل رکھی ہوئی کرسی کے سامنے اور وہ کپ کافی سے آدھا بھرا ہوا تھا۔ وہ یقیناً وہیں تھا اس لیے سر ابرار نے ملازم کو ہدایت کی ہوگی کہ پہلے مجھے لاؤنج میں بٹھائے تا کہ وہ زارون کو ادھر ادھر کر سکیں پھر میں نے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ وہ کہاں ہو سکتا ہے؟ یقیناً اسٹڈی کے ساتھ

والے کمرے میں اور بعد میں میرا اندازہ درست ثابت ہوا تھا اور جب سر ابرار نے اس کے پرپوزل کے بارے میں بات کرنا شروع کی تو میں جان گئی کہ یہ سب ڈرامہ کیوں ہو رہا تھا۔

میں سر ابرار کی باتوں سے بالکل بھی متاثر نہیں ہوئی۔ مجھے ان کے خلوص پر شبہ نہیں تھا مگر یہ بھی جانتی تھی کہ وہ زارون سے بہت محبت کرتے ہیں اور صرف اس کی خاطر مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں یہ جانتی تھی کہ زارون ہماری باتیں سن رہا ہے۔ اس لیے میں نے بہت واضح انداز میں اس کے بارے میں اپنے خدشات اور خیالات بتائے تھے۔ لیکن جب اس نے بولنا شروع کیا تو میں حیران ہو گئی تھی۔

وہ بہت سنجیدہ تھا اور مجھے اس کی باتوں میں کوئی کھوٹ نظر نہیں آیا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا یہ ضروری تو نہیں کہ جس سے میں شادی کروں وہ واقعی پارسا ہو۔ میں اس قدر خوش قسمت کہاں ہو سکتی ہوں اور اگر ایسا ہی ہونا ہے تو پھر زارون میں کیا برائی ہے۔ اس دور میں فرشتہ تو کوئی بھی نہیں ہوتا پھر کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ میں اس کی باتوں پر اعتبار کروں۔ شادی تو ویسے بھی جوا ہوتی ہے۔ سو میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں جوا زارون پر کھیلوں گی۔ اس کے جانے کے بعد سر ابرار نے اس کے بارے میں مجھے بہت سی یقین دہانیاں کرائی تھیں وہ نہ بھی کرواتے تب بھی میں اپنی رضامندی ضرور دے دیتی۔

کچھ دیر پہلے اس نے شکریہ ادا کرنے کے لیے فون کیا تھا، شاید وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا مگر پتا نہیں یک دم مجھے کیوں اس سے اتنی بے زاری ہونے لگی تھی۔ میں نے فون بند کر دیا تھا میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جن پر خدا مہربان رہتا ہے۔ اس لیے اگر یہ فیصلہ غلط ثابت ہوتا ہے تب بھی یہ میرے لیے شاک نہیں ہو گا۔ مجھے آزمائشوں اور مصیبتوں کی عادت ہے۔ ایک اور سہی۔

⁂

16 اکتوبر

اس وقت رات کے گیارہ بجے ہیں اور میں غصہ سے بے حال ہو رہا ہوں۔ پتا نہیں کشف خود کو سمجھتی کیا ہے۔ اسے کس چیز پر اتنا زعم ہے۔ کبھی کبھی وہ مجھے ایبنارمل لگتی ہے۔ میں صرف اس کی خاطر فیصل آباد گیا تھا اور اس کا رویہ اتنا روڈ تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ ایک بار پھر وہ مجھے پہلے کی طرح خودسر اور اکھڑ لگی۔

آج جب میں اس کے آفس گیا تھا تو مجھے توقع نہیں تھی۔ کہ وہ مجھ سے دوبارہ وہی سلوک کرے گی۔ کارڈ بھیجنے کے بعد مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا حالانکہ اس کا پی اے مرشاد ہوتا کیونکہ اس کے ذہن میں پچھلی ملاقات کا نقشہ یقیناً تازہ ہو گا۔

"بیٹھیں۔" میرے اندر جاتے ہی اس نے سپاٹ انداز میں کہا تھا۔

"فرمایئے۔ اب کیا کام ہے؟"

میرے بیٹھتے ہی اس نے پوچھا تھا۔ اس کا انداز میرے لیے حیران کن تھا۔

"میں کس کام کے لیے آ سکتا ہوں یار! تم مجھ سے اس طرح بات کر رہی ہو جیسے مجھے جانتی ہی نہیں یا پہلی بار دیکھا ہے۔"

"تم مجھ سے آفس میں ملنے آئے ہو اور آفس میں مجھ سے ملنے وہی لوگ آتے ہیں جنہیں کوئی کام ہوتا ہے۔" اس کا رویہ اب بھی وہی تھا۔

"چلو پھر یہی سمجھ لو کہ مجھے تم سے کام ہے۔ اصل میں ایک کانفرنس کے سلسلے میں لاہور آیا تھا۔ سوچا فیصل آباد جا کر تم سے مل لوں۔" میں نے اسے اپنے آنے کی وجہ بتائی۔

"ٹھیک ہے۔ اب تم مجھ سے مل چکے ہو، اس لیے جا سکتے ہو۔" اس نے بڑے کورے انداز میں کہا تھا۔

"میں تو کل صبح جاؤں گا۔ آج عارف کے پاس ٹھہروں گا۔ تم اب اپنا کام ختم کرو اور میرے ساتھ چلو۔ کہیں لنچ کرتے ہیں پھر ڈرائیو پر چلیں گے مگر پہلے تم مجھے چائے پلواؤ کیونکہ میں لاہور سے سیدھا تمہارے پاس آیا ہوں کچھ کھائے پیئے بغیر۔" میں تب کافی اچھے موڈ میں تھا۔

"ٹھیک ہے اگر تم چائے پینا چاہتے ہو تو میں پلوا دیتی ہوں لیکن اس کے لیے تمہیں وزیٹرز روم میں جانا پڑے گا۔ میں پی اے کو چائے کے بارے میں کہہ دیتی ہوں اور لنچ اور یا ڈرائیو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم نے یہ سوچا کیسے کہ تم مجھے آفر کرو گے اور میں منہ اٹھا کر تمہارے ساتھ چل پڑوں گی۔ تمہارے نام کی ایک انگوٹھی ہے صرف میرے ہاتھ میں یہ اور انگوٹھی مجھے تمہارے ساتھ گھومنے پھرنے کا کوئی جواز فراہم نہیں کرتی۔ تمہارا شکریہ کہ تم مجھ سے ملنے آئے مگر آئندہ ایسی زحمت نہ کرنا۔ یہاں لوگ میری عزت کرتے ہیں اور میں چاہتی ہوں وہ کرتے رہیں۔"

"تم زیادتی کر رہی ہو۔ اسی آفس میں ایک بار پہلے بھی تم نے میری انسلٹ کی تھی۔ تب میں برداشت کر گیا تھا لیکن اب نہیں کر سکتا۔ تمہیں مجھ پر اس قدر بے اعتباری ہے کہ بات تک کرنا پسند نہیں اور میں بے وقوفوں کی طرح تمہارے دل سے ماضی کی غلط فہمیوں کو نکالنے کی کوشش کرتا پھرتا ہوں۔ میں کوئی بیکار یا آوارہ آدمی نہیں ہوں۔ اتنا ہی مصروف رہتا ہوں جتنی تم بلکہ شاید تم سے بھی زیادہ مگر پھر بھی تمہارے لیے وقت نکال کر آیا ہوں اور تم مجھے یوں

ٹریٹ کر رہی ہو جیسے میں کوئی مصیبت ہوں۔ میں اب یہ سب کچھ برداشت نہیں کروں گا کیونکہ میں ایسے رویوں کا عادی نہیں ہوں، تمہیں خود کو بدلنا پڑے گا۔ مجھ سے یوں بی ہیو کر کے تم اپنے لیے اچھا نہیں کر رہی ہو۔"

میں یہ کہہ کر دروازہ پٹخ کر عارف کے پاس چلا گیا تھا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد میں کمرے میں سونے چلا گیا۔ جب عارف نے مجھے بلوایا تھا۔

"تمہاری منگیتر یعنی ہماری اے سی کشف مرتضیٰ کا فون ہے اگر یہاں بات کرنی ہے تو کر لو ویسے بہتر ہے کہ فون اپنے کمرے میں لے جاؤ۔ کیونکہ ہو سکتا ہے تم میرے سامنے ڈائیلاگز بولتے ہوئے شرماؤ اور اگر تم نہ شرمائے تو میں تو ضرور شرماؤں گا۔"

وہ مجھے چھیڑ رہا تھا مگر میں اتنے اچھے موڈ میں نہیں تھا کہ اس کی چھیڑ چھاڑ کا جواب دیتا۔ اس لیے خاموشی سے فون لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ شاید کشف معذرت کرنا چاہتی ہے اور اس خیال نے مجھے خوش کر دیا تھا۔

"دیکھیں زارون جنید صاحب! آفس میں میں آپ سے زیادہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے میں نے آپ کو روکا نہیں۔ لیکن کچھ باتیں ایسی ہیں جو کلیئر ہو جانی چاہیں۔ میں آپ کی غلط فہمیاں دور کرنا چاہتی ہوں۔ میں شادی سے پہلے آپ کے ساتھ سیر و تفریح کے لیے کہیں نہیں جا سکتی۔ میں ایسے چونچلے افورڈ نہیں کر سکتی۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ کے ساتھ لنچ پر جاؤں اور اگلے دن کسی لوکل اخبار میں میری تصویر آ جائے کہ خاتون اسسٹنٹ کمشنر اپنے آشنا کے ہمراہ ہر کوئی یہ نہیں جانتا کہ تم میرے منگیتر ہو اور میں تمہارے لیے اپنا کیریئر داؤ پر نہیں لگا سکتی اور اگر مجھے یہ مجبوری نہ ہوتی، تب بھی میں تمہارے ساتھ ہوٹلنگ نہیں کر سکتی تھی۔ جو باتیں مجھے دوسروں کے لیے بری لگتی ہیں انہیں خود کرنا کیسے شروع کر دوں۔ سب سے آخری بات یہ ہے کہ مجھ میں ایسی بہت سی باتیں ہیں جو تمہیں ناپسند ہیں اور رہیں گی اس لیے بہتر ہے کہ شادی کے فیصلے پر ایک بار پھر نظر ثانی کر لو اور مجھے بتا دینا تاکہ میں تمہاری چیزیں تمہیں واپس بھجوا سکوں۔"

اس نے میری ساری خوش فہمیوں کو یک دم ختم کر دیا تھا۔

"کشف! تم کس قدر قدامت پسند ہو۔ کتنی تنگ نظر ہو۔ کیا تم آج کی عورت ہو۔ تم ہر روز مردوں سے ملتی ہو مگر اپنے منگیتر کے ساتھ تمہیں لنچ تو دور کی بات ملنا پسند نہیں۔"

"ہاں میں قدامت پسند ہوں اور مجھے اس بات پر فخر ہے۔" اس کی بات پر غصہ کی ایک لہر سی میرے اندر اٹھی تھی۔

''تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟''

''میں چاہتی ہوں کہ تم اس منگنی کے بارے میں ایک بار پھر سوچو اور یقین رکھو کہ اگر تم یہ منگنی توڑنا چاہو گے تو مجھے کوئی افسوس نہیں ہو گا۔''

''تم نے مجھ سے بات کرتے ہوئے دوبار منگنی توڑنے کا کہا ہے۔ تمہارے نزدیک رشتے توڑنا کیا اس قدر آسان ہے۔ بہر حال جو ہوا سو ہوا۔ اب میں تمہیں یہ بتا رہا ہوں کہ میں اگلے ماہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں اس ہفتے تاریخ طے کرنے کے لیے اپنے والدین کو تمہارے گھر بھیجوں گا اور پلیز میں کوئی بہانہ سننا نہیں چاہتا۔'' میں نے اسے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا۔

''لیکن اتنی جلدی شادی کیسے ہو سکتی ہے۔ میں ابھی اس کے لیے تیار نہیں ہوں۔'' پہلی دفعہ اس کے لہجے میں پریشانی تھی۔

''میں کل تو شادی نہیں کر رہا ہوں۔ تمہارے پاس کافی دن ہیں۔ تم اپنے لیے کچھ زیور اور کپڑے تیار کروا سکتی ہو اور اگر اس لیے زیادہ دن چاہتی ہو کہ کوئی جہیز وغیرہ تیار کر سکو تو فارگیٹ اباؤٹ اٹ۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس ضرورت کی ہر چیز ہے۔ آج میں اسلام آباد میں پوسٹڈ ہوں۔ کل کسی اور ملک میں چلا جاؤں گا تو کیا چیزیں اٹھا کر پھرتا رہوں گا۔ تم اپنے والدین کو بتا دینا۔''

اس کا جواب سننے سے پہلے ہی میں نے فون رکھ دیا تھا۔ میرے دل میں اس کے لیے بہت غصہ ہے۔ اسے اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو خود کو بدلنا پڑے گا۔ اس حد تک جس حد تک میں چاہوں ورنہ اسے بہت برے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں شادی کے بعد اس کی کسی غلطی کو معاف نہیں کروں گا۔

⁂

9 نومبر

سو آخر میں نے کشف کو پا ہی لیا اور آج میری شادی کو تین دن گزر چکے ہیں۔ وہ اپنے گھر جا چکی ہے اور میں ڈائری لکھ رہا ہوں۔ بہت سی باتیں ہیں جو مجھے لکھنا ہیں کیونکہ تین دن پہلے میں اپنی زندگی کے سب سے خوبصورت دور میں داخل ہوا تھا۔

جب کالج میں میں نے اسے پہلی بار دیکھا تو میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ معمولی شکل و صورت کی اس لڑکی کے لیے کبھی میں اتنی دیوانگی میں مبتلا ہو

جاؤں گا کہ اس سے شادی کرلوں گا۔

شادی کی رسومات کے دوران میں اسے ٹھیک طرح نہیں دیکھ سکا لیکن گھر آنے کے بعد جب میں نے اسے دیکھا تو وہ قیامت لگ رہی تھی۔ میں بہت دیر تک اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا پایا۔ شاید پہلی بار میں نے اسے اتنا سجا سنورا دیکھا تھا اس لیے ایسا ہوا تھا۔ پھر رات کو جب میں اپنے کمرے میں گیا تو وہ دلہنوں والے روایتی انداز میں بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ خوشی کا ایک عجیب سا احساس ہوا تھا مجھے۔ شاید میری انا کی تسکین ہوئی تھی۔ میں سیدھا ڈریسنگ روم میں گیا اور جب کپڑے بدل کر آیا تو وہ تب بھی اس طرح بیٹھی تھی۔ ایک لمحہ کے لیے مجھے اس پر ترس آیا تھا۔ کیا محسوس کر رہی ہوگی وہ اس وقت؟ وہ تو مجھے اپنے سامنے بات نہیں کرنے دیتی تھی اور اب وہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ میں ڈریسنگ روم سے آ کر بھی اس کے پاس نہیں گیا بلکہ کمرے میں ایئر فریشنر کا اسپرے کرنے لگا، پھر میں نے ڈریسنگ ٹیبل سے ایٹرنٹی اٹھا کر اپنی نائٹ شرٹ پر اس کا سپرے کیا، پھر میں فریج سے چاکلیٹ اور پیپسی کین نکال کر پینے لگا۔ صوفے پر بیٹھے ہوئے میں اطمینان سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کا چہرہ گھونگھٹ میں چھپا ہوا تھا اس لیے میں اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ پایا۔ لیکن مجھے یقین ہے اس وقت وہ مجھے دل میں گالیاں دے رہی ہوگی اور اب مجھے یہ خیال آ رہا ہے کہ اس رات ساڑھے بارہ بجے یخ پیپسی میرے لیے کافی نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی، آفٹر آل یہ بھی نومبر کا مہینہ لیکن بس میں اسے کافی انتظار کروانا چاہتا تھا۔

چاکلیٹ ختم کرنے کے بعد میں نے واش روم جا کر دانت برش کیے۔ واپس آنے کے بعد میں اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گیا اور آہستہ سے اس کا گھونگھٹ الٹ دیا۔ زندگی میں پہلی بار وہ میرے اس قدر قریب بیٹھی تھی۔ اپنے ہاتھوں پر نظریں جمائے وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ کچھ دیر تک میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

”اگر میں کوئی انا پرست آدمی ہوتا تو آج تمہارے ساتھ میرا سلوک کچھ اور طرح کا ہوتا لیکن تمہاری خوش قسمتی ہے کہ میں ایسا نہیں ہوں۔“

اس نے میری بات پر نظر نہیں اٹھائی۔ میں نے سائڈ ٹیبل کی دراز سے ڈائمنڈ رنگ نکال لی۔

”اپنا ہاتھ دو۔“ میں نے انگوٹھی نکال کر کہا اس نے اپنا ہاتھ بڑھا دیا میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں لرزش تھی۔ مجھے بے اختیار اس پر پیار آیا۔ کیا وہ مجھ سے خوفزدہ تھی، حالانکہ وہ تو ہمیشہ مجھے ڈرایا کرتی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ میں انگوٹھی پہنائی۔ انگوٹھی پہننے

کے بعد اس نے ہاتھ کھینچنا چاہا مگر میں نے اس کا ہاتھ پکڑے رکھا۔

"کیسا لگ رہا ہے یہاں آ کر؟" میں نے اسے بولنے پر اکسایا لیکن وہ چپ رہی۔

"کچھ بولو گی نہیں؟ کیا ہاتھ نہیں چھڑاؤ گی؟ میری طرف دیکھو گی بھی نہیں؟ آر یو آل رائٹ؟" میں نے اسے چھیڑا۔

"اگر دوسرا ہاتھ پکڑ لوں تو بھی کچھ نہیں کہو گی؟"

میری بات پر اس نے بے اختیار اپنا دوسرا ہاتھ پیچھے کر لیا۔ میں کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ وہ بے حد کنفیوز لگ رہی تھی اور مجھے اس کی کنفیوژن مزہ دے رہی تھی۔

"تم تھک گئی ہو گی۔ کپڑے چینج کر لو۔"

میں نرمی سے کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بھی اپنا لباس سمیٹتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جب وہ ڈریسنگ روم سے باہر آئی تو نائٹی میں ملبوس تھی۔ جب وہ بیڈ پر بیٹھی تو میں نے اس سے کہا۔

"کشف! پہلے تم مجھ سے محبت نہیں کرتی تھیں۔ کیا اب کرو گی؟" وہ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بولی۔

"ہاں۔" اس کا صرف ایک لفظ میرے اندر جلتی ہوئی ذلت کی اس آگ کو بجھا گیا جو وہ اپنی باتوں سے لگاتی رہی تھی۔ میں نے پہلے کبھی خود کو اس قدر مطمئن اور پرسکون محسوس نہیں کیا۔ میں والہانہ انداز میں اس سے محبت کا اظہار کرتا رہا۔ لیکن وہ پہلے ہی کی طرح تھی۔ سنجیدہ اور شرمائی شرمائی۔

صبح جب میں سو کر اٹھا تو وہ پہلے ہی اٹھ چکی تھی اور کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔ میں گاؤن کی ڈوری بند کرتا ہوا اس کے پاس چلا گیا۔

"گڈ مارننگ!" میں نے ہولے سے اس کے بالوں کو چھوا۔

"مارننگ۔"

"تم روز اتنی ہی جلدی اٹھتی ہو۔"

"ہاں۔" وہ ہنوز میری طرف متوجہ نہیں تھی۔

"کشف! کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ تم ایک نظر مجھے بھی دیکھ لو۔ باہر کا نظارہ ایک رات کی دلہن کے لیے اس کے نئے نویلے شوہر سے زیادہ پرکشش نہیں ہو سکتا۔"

میں نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اپنی طرف گھما لیا۔

"میوزک سنتی ہو؟" میں نے اس سے پوچھا۔

''ہاں تھوڑا بہت۔'' وہ مجھ سے بات کرتے ہوئے نظر چرا رہی تھی اور میں اس انقلاب پر حیران تھا۔

''ٹھیک ہے۔ تم یہ ریکارڈ سنو میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔''

میں اس سے یہ کہہ کر باتھ روم میں چلا گیا۔ آدھ گھنٹہ کے بعد جب میں نہا کر تیار ہو کر آیا تو وہ صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ ناشتہ ہم نے کمرے میں ہی کیا۔ وہ میری باتوں پر مسکراتی رہی مگر زیادہ نہیں بولی مگر میرے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ میرے پاس موجود تھی۔

پھر وہ بھابھی اور سارہ کے ساتھ گیارہ بجے بیوٹی پارلر چلی گئی تھی۔ دوبارہ میں نے اسے رات کو دیکھا اور مجھے وہ بہت پرسکون اور خوش نظر آئی۔ اسامہ اور فاروق کی چھیڑ چھاڑ پر وہ مسکراتی رہی اور مجھے بے چین کرتی رہی۔

آج صبح وہ اپنے گھر چلی گئی ہے اور اب جب میں ڈائری لکھ رہا ہوں تو بے حد تنہائی محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے ساتھ گزاری ہوئی دو راتیں مجھے اس قدر بدل سکتی ہیں۔ یہ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میرے بیڈ روم کی سب سے قیمتی چیز غائب ہو گئی ہے۔ اس وقت میں اسے بہت شدت سے مس کر رہا ہوں اور اب تھوڑی دیر تک میں اسے فون کروں گا۔ اس سے مل نہیں سکتا مگر باتیں تو کر سکتا ہوں۔

❋

9 نومبر

میری شادی ہو گئی ہے اور زندگی کا ایک نیا سفر شروع ہو گیا ہے۔ گزرے ہوئے تین دن میری زندگی کے سب سے خوبصورت دن ہیں۔ میں جانتی ہوں، آنے والا ہر دن میرے لیے سب اچھا کی خبر نہیں لائے گا، بعد میں جو ہونا ہے وہ تو ہوتا رہے گا مگر میں زندگی کے کم از کم یہ چند دن خوش فہمیوں کے سہارے گزارنا چاہتی ہوں۔ میں شادی کے دن تک بہت پریشانی تھی۔ کوئی چیز بھی مجھے اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

جب زارون کی طرف سے آنے والے زیورات اور عروسی جوڑا کمرے میں لائے گئے تو میرا دل چاہا، میں انہیں آگ لگا دوں۔ میری کزنز اور فرینڈز ان چیزوں کی تعریفیں کر رہی تھیں۔ ان کے نزدیک میں خوش قسمت تھی اور وہ میری کیفیات سے بے خبر ان چیزوں پر رشک کر رہی تھیں اور میں یہ سوچ رہی تھی کہ وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ وہ سب چیزیں اس وقت مجھے پھانسی کے پھندے کی طرح لگ رہی تھیں۔

جب مجھے زارون کے کمرے میں پہنچایا گیا تو مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرا نروس

بریک ڈاؤن ہو جائے گا۔ وہ کمرے میں آنے کے بعد کچھ دیر تک مجھے نظر انداز کرتا رہا اور میرے اس خوف کو مستحکم کرتا رہا کہ میرے سارے خدشات ٹھیک تھے مگر پھر کیا ہوا کچھ بھی تو نہیں، اس کا رویہ بالکل نارمل تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا تھا۔

''کیا تم مجھ سے محبت کرو گی؟''۔

میں نے ''ہاں'' کہا تھا اور اس کی آنکھوں میں ابھرنے والی چمک دیکھ کر میں حیران رہ گئی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ وہ محبت نہیں تھی شاید وہ واقعی مجھ سے محبت کرتا تھا۔

صبح میں بہت جلدی اٹھ گئی تھی۔ جب میں نے آنکھیں کھولی تھیں اس وقت میں نے اٹھ کر اپنے اردگرد نظر دوڑائی تھی اور تب مجھے رات کی ساری باتیں یاد آنے لگیں۔ زارون میرے بائیں جانب بڑے پرسکون انداز میں سو رہا تھا۔ میں کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ کمرے میں پھیلی ہوئی ہلکی سی روشنی میں وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ پھر میں نہانے کے بعد ٹیرس پر چلی گئی۔ اس وقت ملگجا اندھیرا تھا اور آسمان پر کافی گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ مجھے بہت سردی محسوس ہوئی اور میں واپس اندر آ گئی پھر میں بیڈ روم کی کھڑکی سے نیچے لان کو دیکھتی رہی جو اس وقت بہت عجیب سا نظر آ رہا تھا۔ مجھے پتا ہی نہیں چلا وہ کب بیدار ہوا مگر تب بھی اس کا رویہ میرے ساتھ بہت اچھا تھا۔

خوف کی وہ کیفیت جو پچھلے کئی دنوں سے مجھے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھی تب تک غائب ہو چکی تھی۔

رات کو ولیمہ میں میں بہت مطمئن تھی۔ میری کزنز نے کہا تھا۔

''تم کل کی نسبت آج زیادہ خوبصورت لگ رہی ہو۔''

لیکن میں جانتی تھی کہ تب چونکہ میں خوفزدہ نہیں تھی، اس لیے فریش لگ رہی تھی۔

ڈنر کے بعد ایک میوزک پروگرام پیش کیا گیا تھا اور تقریباً دو بجے ہم ہوٹل سے واپس گھر آئے تھے۔ سارہ میرے ساتھ تھی اور زارون مہمانوں کو رخصت کرنے کے لیے ہوٹل ہی میں ٹھہر گیا تھا۔ واپس آنے کے بعد سارہ نے میری ساری پیکنگ کی۔ وہ بہت اچھی ہے۔ میرے کمرے کو اسی نے سیٹ کیا تھا اور وہی سب چیزیں سمیٹتی رہی۔ پیکنگ کروانے کے بعد وہ میرے ساتھ بیٹھی گپ شپ کرتی رہی تب ہی زارون آ گیا تھا۔ سارہ کے جانے کے بعد زارون نے کہا تھا۔

''میری فیملی میں جو سب سے زیادہ میرے قریب ہے، وہ میری بہن ہے۔ یہ جو اس قدر تمہارے آگے پیچھے پھر رہی ہے صرف اس لیے کیونکہ تم میری پسند ہو اور اسے مجھ سے

وابستہ ہر چیز سے محبت ہے۔"

اس کے لہجے میں سارہ کے لیے محبت نمایاں تھی۔

"تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

اس نے یک دم بات بدل دی تھی۔ مجھے پہلی بار اس کا لہجہ اجنبی نہیں لگا۔ اس کے ہاتھوں کی گرمی، اس کا لمس، اس کی توجہ مجھے اچھی لگ رہی تھی کیونکہ وہ میری زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا۔ وہ میرے ہاتھوں کو چوم رہا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ یہ محبت کوئی خواب ہے یا حقیقت۔

آج صبح اسماء اور اظہر کے ساتھ میں گھر آ گئی تھی۔ زارون پہلے ہی مجھے بتا چکا تھا کہ ان کی فیملی میں سسرال جا کر رہنے کی کوئی رسم نہیں ہے اس لیے وہ میرے ساتھ نہیں جا پائے گا۔ میں نے اصرار نہیں کیا تھا۔

کچھ دیر پہلے زارون نے مجھے فون کیا تھا۔

"تم کیسی ہو؟" میرے ہیلو کہتے ہی اس نے پوچھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" میں نے اس سے کہا تھا۔ وہ بہت دیر تک مجھ سے باتیں کرتا رہا پھر میں نے ہی اسے فون بند کرنے پر آمادہ کیا تھا ورنہ تو شاید وہ ساری رات ہی باتیں کرتا رہتا۔ میں اس کے گھر صرف دو دن رہی ہوں لیکن آج مجھے اپنا کمرہ اجنبی لگ رہا تھا۔ شاید شادی کے بعد سب کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے اور میں کوئی دوسروں سے مختلف تو نہیں ہوں۔

30 دسمبر

کل زارون مجھے گجرات چھوڑ کر گیا تھا۔ ہم پرسوں لندن سے واپس آئے تھے۔ پچھلا ایک ماہ اتنا مصروف گزرا ہے کہ میں چاہتے ہوئے بھی ڈائری نہیں لکھ پائی اور اب جب فرصت ملی ہے تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا لکھوں اور کیا نہ لکھوں۔ کل جب وہ مجھے گھر چھوڑنے آیا تھا تو راستے میں گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"کشف! تمہارے لیے ایک خوشخبری ہے۔ تمہارا تبادلہ اسٹیبلشمنٹ ڈویژن میں کر کے تمہاری خدمات فیڈرل گورنمنٹ کے سپرد کر دی گئی ہیں۔ اب تم بھی اسلام آباد میں کام کرو گی۔ میں ہر جگہ تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔"

میں اس کی بات پر حیران رہ گئی تھی۔

ہنی مون کے دوران میرے لیے اس طرح روپیہ خرچ کرتا رہا تھا جیسے وہ بہت بے

کاری چیز تھی اور میں سوچتی رہی تھی کہ کیا واقعی اس کے لیے میں باقی ہر چیز سے زیادہ اہم ہوں۔ میں سوچتی ہوں اس میں کون سی خوبی ہے جو خدا نے اسے سب کچھ دے رکھا ہے۔ میں نے ایک بار بھی اسے نماز پڑھتے نہیں دیکھا اور شاید اس نے عید کی نماز کے علاوہ کبھی نمازیں پڑھی بھی نہیں ہے پھر بھی خدا نے اسے سب کچھ دے رکھا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس کا فون آیا تھا اور وہ کافی ناراض تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا۔

"کیا ضرورت ہے تمہیں اپنے والدین کے گھر اتنا زیادہ رہنے کی۔"

میں اس کی بات پر حیران رہ گئی تھی۔ کیونکہ میں ابھی ہی تو آئی ہوں اور وہ کہہ رہا تھا کہ اتنا زیادہ رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ بہرحال میں اب پرسوں واپس چلی جاؤں گی۔ کیونکہ وہ میرے بغیر کچھ زیادہ ہی پریشان ہے۔

29 جنوری

کل میرے اور کشف کے درمیان پہلی جھڑپ ہوئی۔ وہ ابھی تک اپنے پرانے انداز میں تھی اور کل میں نے اس کی طبیعت اچھی طرح صاف کی اور مجھے اپنے رویے پر قطعاً کوئی افسوس نہیں ہے اس کی اصلاح کے لیے یہ سلوک بہت ضروری ہے۔

کل ہمیں ایک ڈنر میں جانا تھا اور جب میں شام کو گھر آیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ براؤن رنگ کے لیے میری پسندیدگی جاننے کے باوجود اپنے لیے اسی رنگ کی ساڑھی پریس کر رہی تھی۔ ڈریسنگ روم میں جانے سے پہلے میں نے اس سے کہا تھا۔

"کشف! اس ساڑھی کو واپس رکھ دو اور کسی دوسرے رنگ کا ڈریس پہنو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ یہ کلر مجھے ناپسند ہے اور یہ بات میں تمہیں دوبارہ نہیں بتاؤں گا۔"

جب میں تیار ہو کر ڈریسنگ روم سے باہر آیا تو یہ دیکھ کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی کہ اس نے وہی ساڑھی پریس کر کے بیڈ پر رکھی ہوئی تھی۔ یعنی اس نے میری بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا کہ یہ ساڑھی واپس رکھ دو۔ تم یہ نہیں پہنو گی۔"

"زارون! جو چیز تمہیں پسند ہے میں تمہیں اس کے استعمال سے کبھی نہیں روکتی پھر تم مجھے کیوں روک رہے ہو۔ یہ کلر تمہیں پسند نہ سہی مگر مجھے پسند ہے اور میں یہی پہنوں گی۔"

میں اس کے لہجے پر کھول کر رہ گیا تھا اور اسی ٹون میں بات کر رہی تھی جس میں وہ شادی سے پہلے بات کرتی تھی۔

"لیکن مجھے یہ کلر پسند نہیں ہے۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" اس کے جواب نے مجھے آگ بگولہ کر دیا تھا۔

"میں تمہیں بتاتا ہوں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" میں نے .... اٹھائی اور اسے بازو سے کھینچتا ہوا واش روم میں لے گیا۔ واش بیسن میں ساڑھی پھینکنے کے بعد میں نے لائٹر سے آگ لگا دی۔ وہ دم بخود جلتے ہوئے شعلوں کو دیکھ رہی تھی اور مجھے اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ دیکھ کر سکون مل رہا تھا۔

"آج ایک بات تم کان کھول کر سن لو۔ تمہیں صرف وہی کرنا ہے جو میں چاہتا ہوں، وہی پہننا ہے جو مجھے پسند ہے اور تمہارے منہ میں جو زبان ہے، اسے کنٹرول میں رکھو ورنہ میں اسے کاٹ دوں گا۔ میں گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ پورے پندرہ منٹ بعد تم باہر ہو ورنہ......"

میں اپنی بات کو ادھورا چھوڑ کر باہر چلا گیا۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ پورچ میں نمودار ہو گئی تھی۔ جب وہ کار میں آ کر بیٹھی تو میں نے بڑے غور سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ وہ بے تاثر تھا اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی نہ ہی میں نے اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی۔

ڈنر سے واپسی پر سونے سے پہلے اس نے روز کی طرح مجھے دودھ کا گلاس لا کر دیا اور پھر خاموشی سے سونے کے لیے لیٹ گئی۔ آج صبح بھی ہر روز کی طرح اس نے مجھے بیڈ ٹی دی پھر آفس کے لیے تیار ہونے میں میری مدد کرواتی رہی لیکن اس نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ جب میں نے اسے اس کے آفس چھوڑا تو آج پہلی بار اس نے مجھے خدا حافظ نہیں کہا۔ مجھے اس بات پر بہت خوشی ہوئی کہ اس نے میری بات کو اتنا سنجیدگی سے لیا ہے۔ میں یہی چاہتا تھا۔ آج شام کو بھی اس کا رویہ نارمل تھا بس وہ مجھ سے بات نہیں کر رہی تھی۔ شاید اس کا خیال تھا کہ میں اس سے معذرت کروں گا اور وہ بے حد احمق ہے میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔ آج تک میں اس کی بے اعتنائی برداشت کرتا رہا اب اسے یہ سب برداشت کرنا ہو گا۔

❁

17 مارچ

شادی کے چار ماہ میں دس دن بعد کل میں نے اس کا گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔ پتا نہیں میں نے غلط کیا یا صحیح مگر یہ سب ہونا ہی تھا۔ اگر میں خود اس کا گھر نہ چھوڑتی تو کچھ عرصہ بعد وہ خود مجھے گھر سے نکال دیتا۔ میرا اس سے شادی کا فیصلہ غلط تھا۔ ہم دونوں دو مختلف دنیاؤں کے لوگ ہیں۔ مگر افسوس مجھے اس بات کا ہے کہ اسے میرے کردار پر شبہ ہے۔ ایک

ایسا شخص جس کا اپنا کوئی کردار نہیں ہے۔ اس کا رویہ دن بدن عجیب ہوتا گیا تھا۔ پہلے وہ نرمی سے مجھے اپنی بات ماننے پر مجبور کرتا۔ پھر سختی کرنے لگا میں اس کی ہر ناجائز بات بھی صرف اس لیے مان لیتی کیونکہ میں اپنا گھر برباد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن کل کے واقعے کے بعد میرے لیے مزید کچھ برداشت کرنا ناممکن ہو گیا تھا۔

کل رات کو کھانا کھانے کے بعد وہ ایک کتاب لے کر بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ میں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی جب مجھے یوں لگا جیسے وہ بڑے غور سے مجھے دیکھ رہا تھا مگر میں نے اس بات کو نظر انداز کیا۔

''کشف! ایک بات پوچھوں؟'' اس نے اچانک مجھے چونکا دیا۔ میں نے بالوں میں برش کرنا روک دیا اور مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''یہ جو تمہارا بڑا بہنوئی ہے اظہر، سنا ہے اس کا پرپوزل پہلے تمہارے لیے آیا تھا اور وہ تمہیں کافی پسند کرتا تھا؟''

''وہ مجھے پسند کرتا تھا یا نہیں۔ یہ تو میں نہیں جانتی ہاں اس کا پرپوزل ضرور میرے لیے آیا تھا۔'' میں نے بلا توقف جواب دیا۔

''ویسے تم اسے کافی پسند کرتی ہو۔ اکثر تعریفیں کرتی رہتی ہو'' اس کا لہجہ بے حد عجیب تھا۔

''ہاں۔ میں اسے پسند کرتی ہوں کیونکہ وہ ایک اچھا آدمی ہے۔'' میری بات پر اس کے چہرے پر ایک رنگ سا گزر گیا تھا۔

''پھر تم نے اس کا پرپوزل قبول کیوں نہیں کیا؟''

''کیونکہ اس وقت مجھے شادی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مجھ پر بہت زیادہ ذمہ داریاں تھیں۔''

''تم جھوٹ بول رہی ہو۔ اصل میں اس کی امی کو اسماء تم سے زیادہ پسند آ گئی تھی، کیونکہ وہ زیادہ خوبصورت ہے اس لیے انہوں نے اظہر کو اسماء سے شادی پر مجبور کر دیا۔ ویسے کشف! تم لاہور میں پڑھتی تھیں۔ اظہر بھی وہیں انجینئرنگ یونیورسٹی میں ہوتا تھا۔ تم لوگوں کی اکثر ملاقات ہوتی ہو گی۔''

میں اس کی باتوں پر بالکل سن ہو گئی تھی۔ میرے تصور میں بھی نہیں تھا کہ وہ کبھی مجھ سے ایسی بات کرے گا۔ کچھ دیر تک میں بالکل بول ہی نہیں سکی۔ وہ مجھے اتنی گہری نظروں سے

دیکھ رہا تھا جیسے میں کوئی مجرم تھی اور اس نے مجھے جرم کرتے ہوئے پکڑ لیا تھا۔

"زارون! تم کیا کہہ رہے ہو۔ میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا۔" میں نے اسے کہا۔

"حالانکہ میں نے کوئی مشکل بات نہیں پوچھی۔ ویسے اگر میں تمہاری جگہ ہوتا اور کوئی میری انسلٹ کرتا اور پھر مجھے پرپوز کرتا تو میں کبھی اس سے شادی نہ کرتا۔ لیکن تم نے مجھ سے شادی کر لی سب کچھ بھول کر۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے۔ شاید نہیں۔ کیونکہ تمہاری جیسی عورتیں میرے جیسا مرد دیکھ کر سب کچھ بھول جاتی ہیں، چاہے وہ پرانا محبوب ہی کیوں نہ ہو۔"

"بہت ہو گیا۔ میں اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتی۔ تمہیں جو کہنا ہے صاف صاف کہو معموں میں بات مت کرو۔"

میں کھڑی ہو گئی۔

وہ میری بات پر بڑے عجیب انداز میں مسکرایا۔

"کشف! یاد ہے جب میں نے تمہیں یونیورسٹی میں تھپڑ مارا تھا تو تم نے کہا تھا جو شخص جیسا ہو، اسے ویسی گالی دو تو وہ اسی طرح تڑپتا ہے جیسے میں تڑپ رہا ہوں۔ کیا آج تمہارا رویہ بھی ویسا ہی نہیں ہے جب میں نے ماما کے سامنے شادی کے لیے تمہارا نام لیا تھا تو انہوں نے کہا تھا کشف میں ایسی کون سی بات ہے جو تمہیں متاثر کر رہی ہے اور میں نے کہا تھا اس کا کریکٹر، تب انہوں نے کہا تھا تم مڈل کلاس لڑکیوں کو نہیں جانتے یہ اتنی پارسا ہوتی نہیں جتنا ظاہر کرتی ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ صحیح تھا۔"

مجھے اس کی بات گالی کی طرح لگی تھی اپنے شوہر کے منہ سے اپنے کردار کے بارے میں ایسی بات سننا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ پھر میں نے اس سے پوچھا تھا۔

"تو تمہارا خیال ہے کہ میں کرپٹ ہوں؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اپنے بارے میں تم زیادہ بہتر جانتی ہو۔"

اس نے سرد مہری سے کہہ کر کتاب کھول لی تھی۔ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ میں نے اس کے ہاتھ سے کتاب چھین کر دور اچھال دی۔

"تمہیں میرے کردار پر شبہ ہے مگر اپنے کردار کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

میں چلائی تھی اور اس نے سرد لہجے میں کہا تھا۔

"وہ کتاب اٹھا کر مجھے دو اور اپنی آواز آہستہ کرو۔ یہ میرا گھر ہے اور میں یہاں کسی کا چلانا پسند نہیں کرتا۔"

"مجھے نہ تمہاری پروا ہے نہ تمہارے گھر کی۔" میں ایک بار پھر چلانے لگی۔ "تم ایک فلرٹ ہو کر میرے بارے میں یہ کہہ رہے ہو کہ تمہیں میرے کردار پر شک ہے خود کیا ہو تم؟ کس کس کے ساتھ عیاشی کرتے رہے اور پھر بھی تمہیں مجھ پر شک ہے۔"

"بہتر ہے۔ تم اپنا منہ بند کر لو۔ میں تمہاری بکواس برداشت نہیں کروں گا۔"

"میں اپنا منہ بند نہیں کروں گی۔ میری باتیں بکواس ہیں تو تمہاری باتیں کیا ہیں۔ تم واقعی ایک ذلیل انسان ہو اور تمہیں عورت کی عزت کرنا کبھی نہیں آئے گا۔"

میں شاید اسے اور بھی بہت کچھ کہتی مگر اس کا تھپڑ مجھے خاموش کروا گیا تھا۔ "میں تم جیسی عورت کی عزت کرنا چاہتا بھی نہیں۔ اپنا منہ بند رکھا کرو ورنہ میں تم پر ہاتھ اٹھانے سے گریز نہیں کروں گا۔"

چند لمحے اسی خاموشی سے دیکھنے کے بعد میں ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔ بیگ میں اپنی چیزیں رکھنے کے بعد میں جب دوبارہ بیڈ روم میں آئی تو وہ پھر کتاب ہاتھ میں لیے ہوئے تھا۔

"میں جا رہی ہوں۔"

"شوق سے جاؤ۔ میں تمہیں روکنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ ہاں یہ بات ضرور یاد رکھنا کہ اگر آج یہاں سے جاؤ گی تو دوبارہ واپس نہیں آسکو گی۔ اگر پھر بھی جانا چاہتی ہو تو جاؤ، میں چند دن تک تمہیں طلاق بھجوا دوں گا۔"

اس نے کتاب سے نظر ہٹائے بغیر کہا تھا۔

"میں خود بھی دوبارہ یہاں نہیں آنا چاہتی اور یہ تمہاری مہربانی ہوگی اگر تم مجھے جلد از جلد طلاق بھجوا دو۔ تم نے حق مہر کے طور پر جو رقم مجھے دی تھی۔ وہ بینک میں ہے میں نے چیک بک پر سائن کر دیئے ہیں۔ تم اسے نکلوا سکتے ہو۔ ہر ماہ میں پندرہ ہزار تم مجھے دیا کرتے تھے، وہ بھی بینک میں جمع کروا دیتی تھی اس اکاؤنٹ میں۔ یہ وارڈ روب کی چابیاں ہیں۔ دراز میں وہ سارے زیورات موجود ہیں جو تم نے مجھے دیئے تھے۔ میں اپنے ساتھ صرف وہی چیزیں لے کر جا رہی ہوں جو میرے ذاتی روپے سے خریدی گئی ہیں۔ تم چاہو تو میرا بیگ چیک کر سکتے ہو۔"

"دروازے کو ٹھیک سے بند کر کے جانا۔"

یہ وہ واحد فقرہ تھا جو اس نے میری باتوں کے جواب میں کہا تھا۔ اگر میں ایک لمحہ بھی وہاں مزید کھڑی رہتی تو پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیتی۔

جس وقت میں وہاں سے نکلی تو یہ نہیں جانتی تھی کہ کہاں جاؤں گی۔ پھر میں اپنی کار میں ایم این اے ہاسٹل چلی گئی تھی۔ زارون نے ایک بار مجھے رکنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ مجھے روکنا چاہتا ہی نہیں تھا۔ اگر وہ مجھے رکنے کے لیے کہتا تو شاید میں رک جاتی۔ میں اپنا گھر برباد نہیں کرنا چاہتی تھی، یا شاید میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں، اس لیے کہ وہ میری زندگی میں آنے والا واحد مرد ہے جو مجھے محبت کے خواب دکھاتا رہا جس نے مجھے میرے ہونے کا احساس دلایا۔ لاکھ چاہنے کے باوجود میں اس سے نفرت نہیں کر سکی نہ کبھی کر سکوں گی۔

مجھے نیکی کا بہت اچھا اجر ملا تھا۔ میں اظہر کے پرپوزل سے اپنی بہن کے حق میں اس لیے دست بردار ہوئی تھی تاکہ اس کی شادی کسی اچھی جگہ ہو جائے۔ لیکن اس ایثار کا مجھے یہ صلہ ملا کہ اظہر کا نام ایک داغ کی طرح میرے دامن پر لگا دیا گیا۔ خدا نے کبھی میرے ساتھ انصاف نہیں کیا اور مجھے اس سے اس کی توقع بھی نہیں ہے۔ زارون بھی خدا کے ہاتھوں میں ایک پتلی ہے۔ اس کی بھی کیا غلطی ہے۔ یہ تو خدا ہے جو مجھے رسوا کرنا چاہتا ہے۔ مجھے دیکھنا ہے وہ مجھ سے اور کیا چھینے گا۔

17 مارچ

کل رات کشف مجھے چھوڑ کر چلی گئی اور کل رات سے لے کر اب تک میں اپنی کیفیات کو سمجھ نہیں پا رہا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ان چند ماہ میں میں اس کے وجود کا اتنا عادی ہو جاؤں گا۔ کتنی آسانی سے وہ میرے گھر سے چلی گئی ہے۔ یوں جیسے اس کے نزدیک میری کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ میں نے اسے صرف ایک تھپڑ مارا تھا حالانکہ وہ زیادہ کی مستحق تھی۔ اس نے کل پھر میرے کردار کو ہدف بنانے کی کوشش کی تھی۔ شادی کی رات کو اس نے مجھ سے کہا تھا میں تم سے محبت کروں گی مگر ان چار ماہ میں ایک بار بھی میں نے یہ محسوس نہیں کیا کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ اس نے کبھی مجھ سے محبت کا اظہار نہیں کیا اور وہ کرتی بھی کیسے جب اسے مجھ سے محبت تھی ہی نہیں۔ وہ تو کسی اور سے محبت کرتی تھی۔ کاش یہ بات میں پہلے جان جاتا تو کبھی اس سے شادی نہ کرتا۔

مجھے اس میں یہی چیز تو اٹریکٹ کرتی تھی کہ وہ بے داغ کردار کی مالک تھی۔ اس کا کوئی اسکینڈل نہیں تھا۔ مگر میں کیا جانتا تھا کہ یہ سب فریب ہے۔ وہ بھی میری سوسائٹی کی لڑکیوں کی طرح ہے۔ میں کل رات سے بہت پریشان ہوں۔ مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ دل چاہتا ہے جو چیز سامنے آئے توڑ دوں۔ ایک اس کے نہ ہونے سے مجھے ہر چیز ادھوری لگ

رہی ہے۔ آج صبح جب میں اٹھا تھا تو رات کا واقعہ بھول چکا تھا۔ کچھ دیر بعد میں انتظار کرتا رہا کہ وہ میرے لیے بیڈ ٹی لے کر آئے لیکن پھر ایک جھماکے کے ساتھ میرے ذہن میں رات کا واقعہ آ گیا تھا۔

شادی کے بعد پہلی بار میں نے خود آفس جانے کے لیے وارڈ روب سے کپڑے نکالے اور تیار ہوا مگر ہر قدم پر مجھے اس کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ میں ناشتہ کے بغیر آفس چلا گیا اور زندگی میں پہلی بار بغیر کسی وجہ کے ماتحتوں پر برستا رہا۔ مجھے اپنے غصے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ واپس آنے کے بعد بھی میری بے چینی میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ صرف ایک دن اس کے بغیر رہنے سے پاگل ہو گیا ہوں ابھی تو پوری زندگی گزارنی ہے۔ ایک میں ہوں جس کے لیے اس کے بغیر خود پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا ہے اور ایک وہ تھی جو میری ہر چیز میرے منہ پر مار کر چلی گئی ہے، اگر اسے مجھ سے محبت ہوتی تو کیا وہ میرے سارے گفٹس اس طرح پھینک کر چلی جاتی۔ ایک بات تو طے ہے اب میں آئندہ اسے کبھی اس گھر میں نہیں لاؤں گا۔ میری زندگی سے وہ ہمیشہ کے لیے نکل گئی ہے۔ جتنی جلدی میں اس سے چھٹکارا حاصل کر لوں بہتر ہے میرا یہ فیصلہ بہت سے لوگوں کو ناراض کر دے گا۔ سر ابرار تو شاید کبھی مجھے معاف نہیں کریں گے لیکن میں نے اب اگر اسے طلاق نہ دی تو شاید ساری عمر نہ دے پاؤں۔

❁

21 مارچ

چار دن پہلے میں نے لکھا تھا کہ میں نے زارون کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا لیکن کل میں دوبارہ اس کے گھر واپس آ گئی ہوں۔ گھر چھوڑتے وقت زارون نے مجھ سے کہا تھا اگر ایک دفعہ تم اس گھر سے چلی گئیں تو دوبارہ یہاں نہیں آ سکو گی اور کل وہ خود مجھے لے کر آیا تھا۔ یہ شخص زارون بھی عجیب ہے۔ جو کہتا ہے اس کے برعکس کرتا ہے۔

کل شام کو میں ہاسٹل کے کمرے میں تھی جب وہ آیا تھا، اسے وہاں دیکھ کر مجھے حیرت نہیں ہوتی۔ میرا خیال تھا وہ مجھے طلاق کے کاغذات دینے آیا ہے۔ اسی لیے میں نے اسے اپنے کمرے میں آنے دیا۔

''تم طلاق کے کاغذات لائے ہو؟'' میں نے اس کے اندر آتے ہی پوچھا تھا۔

''نہیں میں تمہیں لینے آیا ہوں۔'' اس کا جواب میرے لیے غیر متوقع تھا۔

''کیوں؟'' وہ میری بات کا جواب دینے کے بجائے ایک چیئر پر بیٹھ گیا اور کچھ توقف کے بعد اس نے کہا تھا۔

"ہماری شادی کو صرف ساڑھے چار ماہ ہوئے ہیں اور ہم لوگ ایک دوسرے سے اتنے بیزار ہو گئے ہیں کہ طلاق حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ کشف! ہوسکتا ہے تمہارا خیال ہو کہ میں نے شاید تمہیں تنگ کرنے کے لیے تم سے شادی کی ہے لیکن یقین کرو ایسا نہیں ہے۔ میں اپنا گھر برباد کرنا نہیں چاہتا۔ مجھ سے پھر ایک غلطی ہو گئی ہے لیکن اس بار میں نے جان لیا کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میرے ساتھ چلو۔"

وہ دھیمے لہجے میں بات کر رہا تھا اور اس کا ہر لفظ میرے غصہ میں اضافہ کر رہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا میں اسے جان سے مار دوں۔ وہ مجھے ذلیل کرنے کے بعد پھر مجھے اپنے گھر لے جانا چاہتا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"میں ایک بدکردار عورت ہوں۔ تم جیسا شریف آدمی میرے ساتھ کیسے رہے گا مجھے صرف یہ بتاؤ تم مجھے کیسے برداشت کرو گے۔ مجھے صرف طلاق چاہیے میں کمپرومائز کے تمہارے زندگی گزارنا نہیں چاہتی۔"

"کشف! میں تمہیں تکلیف پہنچانا نہیں چاہتا مگر پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔ لیکن تم مجھے ایک موقع اور دو۔"

"میں تمہاری ان باتوں میں نہیں آؤں گی۔ تم طلاق نہیں دو گے نہ دو مگر میں تمہارے ساتھ کبھی نہیں جاؤں گی۔ مجھے تم سے نفرت ہے میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔"

میری بات پر اس کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا تھا۔

"تم کو مجھ سے محبت تھی ہی کب۔ جب تم نے کبھی مجھ سے محبت نہیں کی تو نفرت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ محبت تو صرف میں کرتا تھا تم مجھ سے جان چھڑانے کا موقع چاہتی تھیں۔ میں یہ سب نہ بھی کرتا تب بھی تم کسی نہ کسی بہانے مجھے چھوڑ کر ضرور چلی جاتیں۔"

مجھے اس کی بات پر بے اختیار رونا آ گیا۔ وہ سارا الزام میرے سر دھر رہا تھا۔

"تم نے کب یہ محسوس کیا کہ میں تم سے نفرت کرتی رہی ہوں۔ تمہاری ہر ضرورت کا خیال صرف اسی لیے رکھتی تھی کیونکہ میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتی تھی۔ اگر تم سے جان چھڑانا ہوتی تو اس سے پہلے بھی ایسے بہت سے مواقع آئے تھے جب میں تمہیں چھوڑ کر جا سکتی تھی۔ لیکن جب کوئی مرد اپنی بیوی سے یہ کہے کہ اسے اپنی بیوی کے کردار پر شبہ ہے تو پھر بیوی کے پاس کیا رہ جاتا ہے کیا میں اس وقت کا انتظار کرتی جب تم دھکے دے کر مجھے گھر سے نکالتے؟ تمہیں اگر مجھ سے محبت ہوتی تو تم مجھے رد کرنے کے لیے کہتے مگر تم نے ایک بار بھی یہ نہیں کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں ہی غلط تھا مگر اب میں تم سے معذرت کر رہا ہوں۔ تم میرے ساتھ چلو۔“

”سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں کسی قیمت پر تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔“

”تم نہیں جاؤ گی۔؟“

”نہیں۔“

”ٹھیک ہے پھر میں بھی یہیں رہوں گا۔“ وہ یہ کہہ کر بڑے اطمینان سے بیڈ پر دراز ہو گیا۔

”تم یہاں سے جاؤ ورنہ میں کسی کو بلوا کر تمہیں زبردستی یہاں سے نکلوا دوں گی۔“

وہ میری بات پر مسکرانے لگا تھا۔

”تمہیں ساتھ لیے بغیر یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ میرے ساتھ چلو یا مجھے بھی یہیں رہنے دو اور کسی کو بلوانے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ میں تمہارا شوہر ہوں اور تمہیں ساتھ لے جانے کا حق رکھتا ہوں۔ مجھے تمہاری عزت کا احساس ہے ورنہ میں تمہیں یہاں سے زبردستی بھی لے جا سکتا ہوں۔“

کافی دیر تک میں خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر میں نے اپنی چیزیں پیک کرنا شروع کر دیں۔ جب میں نے بیگ کی زپ بند کی تو اس نے کچھ کہے بغیر بیگ اٹھا لیا۔ گھر آنے کے بعد میں نے اس پر چلانا شروع کر دیا۔ وہ خاموشی سے میری باتیں سنتا رہا پھر اس نے مجھے کچھ خط لا کر دیئے۔

”کشف! اگر تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہو تو تم انہیں پڑھ لو پھر تمہیں میری پوزیشن کا احساس ہو جائے گا۔ تم سے منگنی ہونے کے بعد سے یہ خط مجھے ملنا شروع ہوئے ہیں اور اب تک مل رہے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ یہ خط کون بھیجتا ہے مگر یہ گجرات سے آتے ہیں اس لیے میرا اندازہ ہے تمہارے خاندان میں سے کوئی بھیج رہا ہے۔ شادی سے پہلے جب یہ خط ملتے تھے تو ان میں لکھا ہوا تھا کہ میں جس سے شادی کر رہا ہوں وہ ایک آوارہ لڑکی ہے اور اس کے کالج میں بہت سے لڑکوں کے ساتھ چکر تھے تب میں نے ان لیٹرز کی پروا نہیں کی کیونکہ شاید لکھنے والا یہ نہیں جانتا تھا کہ میں تمہارا کلاس فیلو رہ چکا ہوں اور تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ لیکن دو ماہ پہلے جو خط مجھے ملا اس میں لکھا تھا کہ تم شادی سے پہلے اظہر سے محبت کرتی تھیں اور اس سے شادی کرنا چاہتی تھی مگر اس کی ای کو اسماء پسند آ گئی۔ میں اس خط کو نظر انداز نہیں کر سکا کیونکہ تم اظہر کی اکثر تعریفیں کرتی ہو۔ اگر میں غلط فہمی کا شکار نہ ہوتا تو کیا کرتا۔“

میرے خط پڑھنے کے دوران وہ بولتا رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ خط کون لکھتا ہے لیکن زارون سے میری ناراضگی قدرے کم ہوگئی۔

خط پڑھنے کے بعد میں نے اس کی طرف اچھال دیئے۔

''ان لیٹرز کی بنا پر تم میرے کردار پر شک کر رہے ہو جنہیں لکھنے والے میں اتنی ہمت بھی نہیں کہ وہ ان پر اپنا نام لکھ دیتا۔ تمہیں مجھ سے زیادہ ان بے نام خطوط پر یقین ہے۔ میری اظہر یا کسی کے ساتھ کوئی جذباتی وابستگی نہیں رہی۔ مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ تم میری ایک نام نہاد غلطی برداشت نہیں کر پائے۔ جب کہ میں نے تمہارے سارے حقیقی افیئرز کو بھلا کر تمہیں معاف کیا ہے۔ تم تھوڑی سی اعلیٰ ظرفی مظاہرہ بھی نہیں کر پائے۔

وہ چند لمحے مجھے دیکھتا رہا پھر اس نے بڑی سختی سے مجھے کہا تھا۔

''کشف! میں تمہارے منہ سے کسی دوسرے مرد کی تعریف برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر تم میری تعریف نہیں کرتیں تو کسی دوسرے کی بھی مت کرو۔''

میں اس میچور آدمی کی احمقانہ بات پر حیران رہ گئی تھی پھر میں نے اسے مزید کچھ نہیں کہا۔

آج صبح وہ مجھ سے یوں بات کر رہا تھا جیسے ہمارے درمیان کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ آفس سے واپسی پر وہ مجھے ڈنر پر لے گیا اور ابھی کچھ دیر پہلے وہ اسٹڈی میں گیا ہے تو میں ڈائری لکھ رہی ہوں۔

پتا نہیں میں نے گھر چھوڑ کر غلطی کی تھی یا واپس آ کر غلطی کی ہے لیکن بہر حال میں ایک بار پھر اسے آزمانا چاہتی ہوں۔ وہ میرے بارے میں پوزیسو ہے اور شاید اسی لیے میری کوئی غلطی، کوئی کوتاہی معاف نہیں کر سکتا مجھے اب پہلے سے زیادہ محتاط ہونا پڑے گا۔ میں کوشش کروں گی کہ اب اسے مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو۔

❁

17 اپریل

آج میں نے اپنی زندگی کی سب سے خوبصورت خبر سنی ہے۔ آج ڈاکٹر نے مجھے میرے پریگننٹ ہونے کی خبر سنائی تھی اور ابھی تک میں اپنی کیفیات کو سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ چند ماہ بعد میرے بازوؤں میں ایک بچہ ہوگا جو صرف میرا ہوگا۔ جو میری ہر تکلیف کو میری طرح محسوس کرے گا۔ اس کے اور میرے درمیان ایک رشتہ ہوگا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ میں نے ابھی زارون کو یہ خبر نہیں سنائی۔ پتا نہیں اس کا ردعمل کیا ہوگا مجھے یقین ہے وہ بھی میری طرح بہت خوش ہوگا کیونکہ اسے یہ تسلی ہو جائے گی کہ میں کسی طور اسے

چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ ہم دونوں کا تعلق اب پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جائے گا کیونکہ اب ہمارے گھر ایک ایسا فرد آنے والا ہے جو ہماری تنہائی دور کر دے گا۔

14 اکتوبر

آج سے ٹھیک ایک ہفتہ پہلے میں نے ایک بیٹے کو جنم دیا تھا۔ جس رات میرا بیٹا پیدا ہوا تھا۔ اس رات زارون کو ایک ڈنر میں جانا تھا لیکن تیار ہونے کے بعد اچانک اس نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

''پتا نہیں یار! آج میری چھٹی حس کیوں مجھے بار بار گھر میں رہنے کو کہہ رہی ہے اور میرا خیال ہے مجھے اس کی بات مان لینی چاہیے۔''

اس کی چھٹی حس نے اسے ٹھیک گائیڈ کیا تھا۔ میری ڈلیوری ڈیٹ میں ابھی ایک ہفتہ تھا لیکن غیر متوقع طور پر اسی رات مجھے ہسپتال جانا پڑا تھا۔ میں اب یہ سوچ کر لرز جاتی ہوں کہ اگر زارون اس رات گھر پر نہ ہوتا تو بعد میں میرا کیا حال ہوتا کیونکہ میں کافی تکلیف میں تھی۔ زارون مجھے ہسپتال لے کر گیا تھا۔ کار ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے میرا ہاتھ تھامے رکھا تھا۔ وہ بار بار مجھے تسلیاں دے رہا تھا۔ اس وقت اس کے ہاتھ کی گرمی مجھے کتنا سکون پہنچا رہی تھی اگر وہ یہ جان جاتا تو شاید ساری عمر میرا ہاتھ تھامے رکھتا۔ لیبر روم میں جانے سے پہلے اس نے مجھ سے کہا تھا۔

''کشف! گھبراؤ مت۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں تمہارے لیے خدا سے دعا کروں گا۔''

اس کی بات پر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ وہ بڑی سیکولر سوچ رکھنے والا آدمی تھا۔ شادی کے بعد سے میں نے کبھی اس کے منہ سے خدا کا ذکر نہیں سنا تھا۔ شاید یہ اس کی دعا ہی کا اثر تھا کہ میں سرجری سے بچ گئی تھی حالانکہ پہلے ڈاکٹر کا خیال تھا کہ شاید آپریشن کرنا پڑے۔ جب مجھے کمرے میں شفٹ کیا گیا تو وہ میرے پاس آیا تھا اور بہت دیر تک میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے بیٹھا رہا۔ وہ بہت عرصے سے مجھے کہہ رہا تھا کہ اپنے بچے کا نام میں رکھوں گا لیکن تیمور کے پیدا ہونے کے بعد اس نے بغیر فرمائش کے یہ حق مجھے دے دیا تھا۔

''پہلے بچے کا نام تم رکھو گی، میں نہیں۔''

اس نے مجھ سے کہا تھا اور میں نے اپنے بیٹے کو تیمور نام دیا تھا۔ کل میں ہسپتال سے گھر شفٹ ہوئی تھی۔

اس ایک ہفتہ میں زندگی جیسے بدل گئی ہے۔ ہر چیز بہت خوبصورت' بہت روشن لگنے لگی ہے۔ میں خود کو بہت طاقتور محسوس کرنے لگی ہوں۔ تیمور مجھے دنیا کا خوبصورت ترین مرد لگتا ہے۔ شاید ہر ماں اپنے بیٹے کے لیے ایسا ہی سوچتی ہے۔ کاش میری ساری زندگی یونہی گزر جائے، کسی تکلیف کسی پریشانی کے بغیر۔

17 اکتوبر

آج تیمور کی پہلی برتھ ڈے تھی اور مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے، وہ بہت بڑا ہو گیا ہے، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے وہ تو ابھی بہت چھوٹا سا ہے۔ کبھی کبھی مجھے حیرت ہوتی ہے کہ وقت کتنی تیزی سے گزر جاتا ہے۔ ابھی کل وہ ہماری دنیا میں آیا تھا اور آج وہ ایک سال کا ہو گیا لیکن یہ ایک سال میری زندگی کا خوبصورت ترین سال تھا کیونکہ میں ایک نئے رشتے سے آشنا ہوئی مجھے بچوں سے کبھی بھی بہت دلچسپی نہیں رہی لیکن اپنے بیٹے کے لیے پتا نہیں اتنی محبت میرے پاس کہاں سے آ گئی ہے۔ مجھے اس کی ہر بات اچھی لگتی ہے۔ اس کا رونا، اس کا ہنسنا، اس کی آواز، اس کی کھلکھلاہٹ ہر چیز مجھے اچھی لگتی ہے کیونکہ وہ میرا بیٹا ہے۔

گھر کیا ہوتا ہے یہ میں نے ان دو سالوں میں جانا ہے، ورنہ میں تو یہی سمجھتا تھا کہ گھر روپے اور اسٹیٹس سے بنتا ہے لیکن یہ اب سمجھ میں آیا ہے کہ روپیہ اتنا ضروری نہیں ہے جتنا ایک دوسرے کے لیے محبت اور توجہ ضروری ہے۔ میرے والدین مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اس کے باوجود ان کے پاس کبھی بھی میرے لیے وقت نہیں تھا صرف روپیہ تھا اور میں بھی گھر میں تنہا بیٹھنے کے بجائے دوستوں کے ساتھ پھرتا رہتا تھا۔ گرل فرینڈز بناتا تھا اور اسی کو زندگی سمجھتا تھا لیکن میں اب سارا وقت کشف اور تیمور کو دینا چاہتا ہوں۔ صرف آفس ٹائم کے علاوہ میں چاہتا ہوں میرا بیٹا یہ جانے کہ اس کے والدین واقعی اس سے محبت کرتے ہیں اور ان کے لیے اس کی ذات سب سے زیادہ اہم ہے، پھر جب وہ بڑا ہو گا تو وہ میری طرح آوارہ نہیں پھرے گا کیونکہ اسے پتا ہو گا کہ اس کے گھر میں اس کا انتظار کرنے کے لیے کچھ لوگ موجود ہیں جو اس کی پروا کرتے ہیں۔

اگر میں نے اپنی سوسائٹی کے کسی لڑکی کے ساتھ شادی کی ہوتی تو شاید میں آج بھی پہلے ہی کی طرح اپنا زیادہ وقت گھر سے باہر گزارتا لیکن خوش قسمتی سے ایسا نہیں ہوا۔ میری زندگی میں گھر کی کمی تھی اور وہ کشف نے پوری کر دی اگر وہ نہ ہوتی تو شاید میں آج اپنے آپ کو اتنا مکمل، اتنا پرسکون محسوس نہ کرتا، لیکن میرے گھر کو صحیح معنوں میں گھر بنانے والی وہی ایک

ہے۔ جب سے میں خود باپ بنا ہوں مجھے اپنے والدین پہلے سے زیادہ اچھے لگنے لگے ہیں۔
ان کی ساری کوتاہیوں کے باوجود مجھے ان سے پہلے کی نسبت زیادہ محبت محسوس ہوتی ہے کیونکہ وہ میرے والدین ہیں۔ انہوں نے مجھے بہت کچھ دیا ہے اور اگر کچھ معاملات میں کوتاہی برتی ہے تو بہت ساری باتوں میں بھی لاپرواہ رہا ہوں۔

آج کا دن اچھا گزر گیا اور میں اپنی باقی زندگی اسی طرح گزارنا چاہتا ہوں۔
چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے سہارے کسی بڑے صدمے کے بغیر۔

19 جون

آج زارون کو امریکہ گئے ہوئے پورا ایک ہفتہ ہو گیا ہے اور آج وہ مجھے بہت یاد آ رہا ہے۔ شاید اب میں اس کی عادی ہو گئی ہوں یا پھر شاید میں اس کے بغیر خود کو اکیلا محسوس کرتی ہوں۔ مجھے اس کے بغیر رہنا بالکل اچھا نہیں لگتا حالانکہ اب تک مجھے عادی ہو جانا چاہتے تھا کیونکہ وہ جس پوسٹ پر ہے وہاں وہ زیادہ دیر تک ایک جگہ ٹک کر نہیں رہ سکتا، پھر بھی پتا نہیں مجھے اس کی غیر موجودگی کیوں اتنی محسوس ہو رہی ہے وہ خود بھی تو باہر جانا زیادہ پسند نہیں کرتا۔ اب وہ باہر جا کر پہلے کی طرح لمبی لمبی کالز نہیں کرتا ہے۔ پہلے سے بہت سنجیدہ ہو گیا ہے۔ شاید یہ عمر اور وقت گزرنے کے ساتھ ضروری ہوتا ہے اسے بھی تو آخر میچور ہونا تھا اور اگر اب بھی نہیں ہوتا تو پھر کب ہوتا پھر اب اس پر کام کا بوجھ بھی بہت زیادہ ہے۔ اس لیے میں نے اس سے بہت زیادہ توقعات نہیں رکھیں۔

پھر اب مجھ پر بھی تو بہت ذمہ داریاں ہیں اور وقت گزرنے کے ساتھ ان میں اور اضافہ ہو گا۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ اب جاب چھوڑ دوں کیونکہ اب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس اب روپے کی کوئی کمی نہیں اور اب تیمور کے ساتھ ساتھ ایک کی ذمہ داریاں بھی ہیں۔ دو بچوں کو جاب کے ساتھ سنبھالنا قدرے مشکل کام ہے لیکن پھر مجھے خیال آتا ہے کہ میں نے اس پوسٹ تک پہنچنے کے لیے بہت محنت کی تھی۔ اب کیا میں اسے صرف اپنے تھوڑے سے آرام کے لیے چھوڑ دوں اور یہی سوچ مجھے ریزائن کرنے سے روک دیتی ہے، شاید اس وقت میں دل کے بجائے دماغ سے کام لیتی ہوں اور زندگی میں ہمیشہ دماغ سے کیے گئے فیصلے ہی کام آتے ہیں۔

کیا لکھنا چاہ رہی تھی اور کیا لکھ رہی ہوں میں آج کافی غائب دماغی کا مظاہرہ کرتی رہی، کوئی بھی کام ٹھیک سے نہیں کر سکی اور یہ صرف اس لیے ہے کیونکہ میں زارون کو بہت مس کر رہی ہوں میں نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ میں جس شخص کو جان سے مارنا چاہتی تھی ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس کی محبت میں مبتلا ہو جاؤں گی اور اس کی عدم موجودگی میرے لیے ناقابل برداشت ہو گی۔

وہ بہت خوبصورت بندہ ہے، صرف ظاہری طور پر ہی نہیں بلکہ اندر سے بھی وہ اتنا ہی خوبصورت ہے لیکن اس بات کو جاننے کے لیے وقت لگتا ہے۔ پتا نہیں اس وقت جب مجھے وہ اتنا یاد آ رہا ہے وہ خود کیا کر رہا ہو گا شاید کانفرنس ہال میں کوئی تقریر کر رہا ہو گا، یا کسی ریزولوشن کی ڈرافٹنگ میں مصروف ہو گا۔ جو بھی ہو کم از کم وہ اس وقت ہمیں یاد نہیں کر رہا ہو گا کیونکہ امریکہ

میں اس وقت صبح ہوگی اور ورکنگ آورز میں اپنے کام کے علاوہ وہ کچھ اور نہیں سوچتا۔

21 جولائی

آج پانچ چھ سال بعد میں اسمارہ سے ملا۔ ہم لوگ ایک ڈنر میں گئے تھے اور وہاں مجھے وہ نظر آئی وہ پہلے ہی کی طرح خوبصورت ہے بلکہ پہلے سے زیادہ گلیمرس اور اٹریکٹو لگ رہی تھی۔ وہ کشف کے پاس کھڑی تھی جب میں اس کے پاس گیا اور جب اسے ہمارے تعلق کا پتا چلا تو وہ حیران ہوئی تھی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شاکڈ رہ گئی تھی پھر کشف کے جانے کے بعد اس نے مجھ سے پوچھا تھا۔

''تو یہ تھی تمہاری چوائس۔ جب تم اس سے محبت کرتے تھے اور اسی سے شادی کرنی تھی تو کالج میں وہ سارے ڈرامے کرنے کی کیا ضرورت تھی۔''

میں اس کی بات پر مسکرانے لگا تھا۔

''نہیں وہ سب ڈرامہ نہیں تھا۔ اس سے محبت مجھے کالج چھوڑنے کے کئی سال بعد ہوئی تھی۔''

میری بات سننے کے بعد اس نے عجیب سے لہجے میں کہا تھا۔

''مجھ میں کیا کمی تھی۔ کیا کشف مجھ سے زیادہ خوبصورت تھی کیا اس کے پاس مجھ سے زیادہ دولت تھی، کیا وہ مجھ سے زیادہ ذہین تھی پر تم نے مجھے ریجیکٹ کیوں کیا؟''

''نہیں اسمارہ! تم میں کوئی کمی نہیں، نہ ہی پہلے تھی۔ تم بہت خوبصورت ہو، تم میں بہت سی خوبیاں ہیں، پرابلم صرف یہ تھا کہ مجھے ان خوبیوں کی ضرورت نہیں تھی تو ڈاؤٹ حسن میں وہ تمہارے پاسنگ نہیں لیکن اس کی وجہ سے میں، میرا گھر اور میرے بیٹے خوبصورت ہیں اور یہ حسن تم سے بہت زیادہ ہے۔''

''فلاسفی مت بولو' مجھے لفظوں سے مت بہلاؤ۔''

اس نے میرے بات بڑی تیز آواز میں کاٹی تھی اور میں مسکرانے لگا تھا۔

''اچھا چلو۔ تمہارے لیے آسان زبان میں بات کرتا ہوں۔ تم اپنے شوہر کے ساتھ یہاں آئی ہو، ذرا سوچ کے بتاؤ کہ یہاں آنے سے پہلے تم نے اپنی تیاری اور اپنے شوہر کو تیار کروانے میں کتنا وقت لیا تھا۔''

میرے سوال پر وہ کچھ متحیر ہوئی۔ ''اپنی تیاری میں کافی وقت لگا تھا لیکن میرا شوہر کوئی بچہ نہیں جسے میں تیار کرواؤں، وہ خود سب کو مینیج کر سکتا ہے۔''

"میں بھی کوئی بچہ نہیں ہوں لیکن پھر بھی یہاں آنے سے پہلے میری ٹائی کی ناٹ، کشف نے اپنے ہاتھوں سے لگائی تھی، میرے کوٹ کے کالر میں رومال بھی اس نے لگایا ہے میرے گھر میں ملازموں کی ایک لمبی قطار ہے اس کے باوجود جو شوز میں نے اس وقت پہنے ہیں، وہ اس نے پالش کیے ہیں، یہاں آنے سے پہلے وہ میرے بڑے بیٹے کو ہوم ورک کروا کر آئی ہے اور میرے چھوٹے بیٹے کو اس نے خود فیڈ کیا ہے حالانکہ اس کے لیے گورنس ہے اور اس کے بعد وہ یہاں آنے کے لیے ڈریس اپ ہوئی، اینڈ جسٹ لک ایٹ ہر کیا اسے دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ وہ اتنے بہت سارے کام کر کے آئی ہے اور یہ سب یہیں پر ختم نہیں ہوتا، ابھی یہاں سے جانے کے بعد وہ میرے لیے نائٹ سوٹ نکالے گی، دودھ کا گلاس دے گی، پھر صبح آفس جانے کے لیے میری ساری چیزیں تیار کرے گی میرا بریف کیس چیک کرے گی اور پھر وہ سوئے گی اور صبح میرے اٹھنے سے پہلے وہ بیدار ہو چکی ہو گی۔"

"یہ سب میں بھی کر سکتی تھی اگر تم مجھ سے شادی کرتے اور یہ سب کرنے کو کہتے۔" اس کے لہجے میں کوئی نرمی نہیں آئی۔

"میں نے اسے بھی کبھی یہ سب کرنے کے لیے نہیں کہا وہ اپنی مرضی سے یہ سب کرتی ہے اور اگر مجھے ایک پرسینٹ بھی یقین ہوتا کہ تم یا میری سوسائٹی کی کوئی دوسری لڑکی یہ سب کر سکتی ہے تو میں کبھی کشف سے شادی نہ کرتا۔"

"اگر وہ یہ سب کرتی ہے تو اس میں کمال کی کیا بات ہے۔ وہ ایک ہاؤس وائف ہے، اس کی کوئی سوشل لائف نہیں اگر اسے یہ بھی نہیں کرنا تو اور کیا کرنا ہے۔"

اس دفعہ میں اسمارہ کی بات پر ہنس پڑا تھا، "وہ ہاؤس وائف نہیں ہے۔ شاید اس نے تمہیں بتایا نہیں وہ ایک سی' ایس' پی آفیسر ہے، اس وقت اسٹیبلشمنٹ ڈویژن میں کام کر رہی ہے۔"

میری بات کے جواب میں وہ پہلی دفعہ خاموش ہوئی تھی اور اس نے میرے چہرے سے نظریں ہٹالی تھیں پھر چند لمحوں کے بعد اس نے مجھ سے کہا تھا۔

"اس کے باوجود میں یہی کہوں گی کہ اس میں ایسا کچھ نہیں تھا کہ تم اس سے شادی کرتے۔"

پھر میں نے مزید کچھ کہنا بے کار سمجھا اور موضوع بدل دیا میں نے اس سے کہا۔

"چلو یار تم اتنے عرصے بعد ملی ہو تمہاری بات ہی مان لیتا ہوں۔ چلو کشف کو چھوڑو اور مجھے اپنے شوہر سے ملواؤ۔"

میں یہ بات اسے کبھی سمجھا نہیں سکتا کہ کشف میں کتنی خوبیاں ہیں۔ وہ میرے لیے ایک لگژری عورت ہے۔ پہلے میں اس سے محبت کرتا تھا اور اب میں اس سے امپریس ہوں۔ اس نے میرے لیے جو کیا کوئی دوسری عورت نہیں کر سکتی تھی کشف نے اپنے آپ کو میری مرضی کے مطابق ڈھالا ہے اور اگر میں اسمارہ سے شادی کرتا تو وہ مجھے اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتی نتیجہ کیا ہوتا چند ماہ بعد علیحدگی کیونکہ میں اس کی بات نہیں مانتا اور وہ میری بات نہیں مان سکتی تھی۔ اسمارہ بھی ایک ڈپلومیٹ کی بیوی ہے لیکن اس کی ادائیں دیکھ کر سب کے دل ایک طرح سے ہی دھڑکتے ہوں گے۔ کشف اس کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے لیکن کم از کم لوگ اس کی عزت تو کرتے ہیں اسے ایسی ویسی نظروں سے تو نہیں دیکھتے اور مجھے یہی سب کچھ پسند ہے، ورنہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جس طرح اسمارہ نے ڈنر میں اپنے شوہر کے ہوتے ہوئے بھی مجھ سے ایسے سوال پوچھے تھے اگر میں اپنی سوسائٹی کی کسی لڑکی سے شادی کرتا تو ہو سکتا تھا وہ بھی ایسے کسی فنکشن میں اپنے کسی پرانے جاننے والے سے کچھ ایسی ہی گفتگو کر رہی ہوتی اور میں بے خبر ہوتا۔

جب ہم وہاں سے واپس آ رہے تھے تو گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے میں مسلسل اسمارہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کشف نے میری خاموشی دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"زارون! کیا سوچ رہے ہو؟"

"اگر میں تمہیں بتا دوں تو تم ناراض تو نہیں ہو گی۔" میرے پوچھنے پر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اسمارہ مجھ سے کہہ رہی تھی، کشف میں ایسا کچھ نہیں تھا کہ تم اس سے شادی کرتے اور میں نے اس سے کہا کہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ بس غلطی ہو گئی۔"

میں نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا لیکن وہ میری بات پر ناراض ہونے کے بجائے مسکرانے لگی۔

"میں جانتی ہوں۔ تم ایسا کہہ ہی نہیں سکتے۔"

"اتنا اعتماد ہے مجھ پر؟" میں نے اس سے پوچھا تھا اور اس نے اسی طرح مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"اگر اعتماد نہیں ہوتا تو آج تمہارے ساتھ نہیں ہوتی۔" اس کے اس جملے پر مجھے کئی سال پہلے اس کی کہی گئی ایک بات یاد آ گئی جب ایک دن میں نے مذاق میں اس سے پوچھا تھا۔

"کشف اگر میں کبھی دوسری شادی کر لوں تو۔"

اور اس نے بڑی بے رخی سے کہا تھا۔ "تم یہ کام کرنے والے دنیا کے پہلے یا آخری مرد نہیں ہو گے۔ مرد تو ایسے کام کرتا ہی رہتا ہے اور تم پر تو مجھے پہلے ہی کوئی اعتماد نہیں، اس لیے مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" اس وقت وہ ایسے ہی منہ توڑ جواب دیا کرتی تھی اور آج وہ بڑے اطمینان سے کہہ رہی تھی کہ اسے مجھ پر اعتماد ہے۔ عجیب چیز ہے یہ کشف۔ ہر وقت مجھے حیران کرتی رہتی ہے۔ مجھے وہ ہمیشہ ایک مسٹری ایک معمے کی طرح لگتی ہے جسے کوئی حل نہیں کر سکتا۔ شادی کے اتنے سال بعد بھی میں اسے پوری طرح جان نہیں سکا اور شاید کبھی نہیں جان سکوں گا کیونکہ وہ بہت گہری عورت ہے جو کبھی پوری طرح کھل کر سامنے نہیں آتی اور شاید اس کی اسی مسٹری نے مجھے اس کا اسیر کر رکھا ہے۔ وہ بہت طاقتور ہے آج تک میرے سامنے اس کی کوئی کمزوری نہیں آئی، شاید اس کا کوئی ویک پوائنٹ ہے ہی نہیں اور اگر کوئی ہے تو شاید دوسروں کی طرح میں بھی ہمیشہ اس سے بے خبر رہوں گا۔ میں ہمیشہ اس کے ساتھ ہر بات شیئر کرتا ہوں، وہ آفس کا کوئی پرابلم ہو یا پھر کوئی پرسنل پرابلم۔

وہ ہمیشہ میری ہر بات سے واقف رہتی ہے لیکن آج تک کبھی اس نے مجھ سے اپنا کوئی پرابلم شیئر نہیں کیا، پھر بھی میں اسے پسند کرتا ہوں کیونکہ میں اپنی زندگی کو انجوائے کر رہا ہوں اور حقیقت میں زندگی ہے بھی یہی، جو کچھ میرے ماضی میں تھا وہ سب سراب تھا اور مجھے اس زندگی سے محبت ہے کیونکہ خدا نے مجھے ایک خوبصورت گھر دے رکھا ہے۔

21 جولائی

آج ایک ڈپلومیٹک ڈنر میں میری ملاقات امارہ سے ہوئی اور میری طرح اس نے بھی فوراً مجھے پہچان لیا تھا۔ اس نے میری ہیلو کا جواب بڑے پھیکے انداز میں دیا تھا اور پھر پوچھا تھا۔

"تم یہاں کیسے؟"

پھر میرے جواب دینے سے پہلے ہی اس نے کہا۔

"لگتا ہے کسی کی سیکریٹری بن کر آئی ہو۔ ویسے تمہارے جیسی سیکریٹری کسی احمق کی ہو سکتی ہے۔ ذرا اپنے باس سے تو ملواؤ۔"

مجھے اس کی کسی بات پر غصہ نہیں آیا کیونکہ میں آج بہت اچھے موڈ میں تھی۔ پھر میں نے اس سے کہا۔

"نہیں میں یہاں اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہوں۔"

"اوہ۔ لگتا ہے کوئی لمبا ہاتھ مارا ہے۔"

اس کا لہجہ اور انداز پہلے ہی کی طرح زہریلے تھے۔ میں نے اس کے کسی اگلے سوال سے بچنے کے لیے پوچھا۔

"تم یہاں اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہو؟"۔

"ہاں۔ میرے شوہر ترکی میں چیف آف مشن ہیں۔ آج کل چھٹیوں میں ہم لوگ یہاں آئے ہیں۔ تم ذرا اپنے شوہر سے ملواؤ۔"

میری بات کا جواب دیتے ہی اس نے مجھ سے فرمائش کر دی، شاید وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ میرا شوہر کون ہے۔ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی زارون ہم لوگوں کے پاس آ گیا۔ شاید اس نے اسمارہ کو دیکھ لیا تھا۔ اسمارہ بھی اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی پھر کچھ دیر تک وہ دونوں مجھے نظر انداز کر کے ایک دوسرے کا حال احوال پوچھتے رہے پھر اسمارہ نے ہی زارون کو میری طرف متوجہ کیا اور بڑے عجیب سے انداز میں پوچھا تھا۔

"زارون! تم نے انہیں نہیں دیکھا۔" زارون نے حیران ہو کر مجھے دیکھا اور پھر اسمارہ سے کہا۔

"انہیں تو میں دن میں دس دفعہ دیکھتا ہوں بلکہ رات کو سونے سے پہلے اور صبح اٹھنے کے بعد سب سے پہلے انہیں ہی تو دیکھتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" اس کی بات پر اسمارہ نے بڑے الجھے ہوئے انداز میں مجھے اور زارون کو دیکھا تھا۔

"مطلب یہ کہ میری بیوی ہیں۔"

میک اپ کی گہری تہیں بھی اسمارہ کے چہرے کا بدلتا ہوا رنگ نہیں چھپا سکیں۔ اس کی آنکھوں کی چمک ایک دم غائب ہو گئی تھی اور اس کے منہ سے صرف ایک جملہ نکلا تھا۔

"تم کشف کے شوہر ہو؟"۔

"آف کورس۔ کیوں کشف! تم نے بتایا نہیں۔"

زارون نے اس کی بات پر حیران ہو کر مجھ سے پوچھا تھا۔

"میرے بتانے سے پہلے ہی تم آ گئے تھے۔"

"میں اس سے یہ کہہ کر معذرت کرتی ہوئی کچھ دوسرے لوگوں کی طرف چلی گئی۔ میرے جانے کے بعد ان دونوں کے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں یہ میں نہیں جانتی لیکن پھر پورے ڈنر میں اسمارہ میری طرف نہیں آئی اور مجھ سے بچنے کی کوشش کرتی رہی اور میں نے

اس کا برا نہیں مانا کیونکہ میں جانتی ہوں وہ زارون کو پسند کرتی تھی اور مجھے ناپسند کرتی تھی۔ آج یہ جان کر کہ میں زارون کی بیوی ہوں اسے یقیناً بہت تکلیف ہوئی ہوگی۔ اس نے سوچا ہوگا کہ میں اور زارون کالج میں دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے جب کہ حقیقت میں ہم ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار تھے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ مجھ سے شادی زارون کا ذاتی فیصلہ تھا اور اس وقت میں نے بہت مجبور ہو کر شادی کی تھی۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ میں نے زارون سے کہا تھا۔

"کتنا اچھا ہوتا اگر ہم کالج میں دوست ہوتے۔ تمہارے نوٹس اتنے اچھے ہوتے تھے۔ ہو سکتا ہے میری بھی ایم اے میں فرسٹ ڈویژن آ جاتی۔"

میری بات پر اس نے یک دم فائل کو بند کر کے ڈائریکٹ میری آنکھوں میں دیکھا تھا اور بڑے صاف اور مستحکم لہجے میں کہا تھا۔

"اگر تم کالج میں میری دوست بن جاتیں تو آج میری بیوی نہیں بنتیں۔" مجھے اس کی صاف گوئی اچھی لگی تھی۔

سونے سے پہلے اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔ وہ بار بار مجھے تنگ کر رہا تھا پھر ایبک کو کاٹ سے نکال کر اپنے پاس بیڈ پر لے آیا اور اس سے کھیلنے لگا اور جب میں ایبک کو سلانے لگی تو اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے اس سے کہا "کہیں آج تم مجھے اسمارہ تو نہیں سمجھ رہے؟" وہ میری بات پر ہنسنے لگا۔

"یار تم کچھ زیادہ ہی سمجھدار نہیں ہوتی جا رہیں۔" اس نے میرے ہی انداز میں کہا اور پھر میرے ہاتھ چومنے لگا۔ میں نے بہت عرصے بعد اسے اتنے رومانٹک موڈ میں دیکھا تھا۔ "تمہارا اور اسمارہ کا کیا مقابلہ۔ تم سے میں عشق کرتا ہوں اور اسمارہ صرف ٹائم پاسنگ تھی، جس طرح گھر تک پہنچنے کے لیے آدمی بہت سے رستوں سے گزرتا ہے اسی طرح اسمارہ بھی ایک رستہ ہی تھی اور تم تو میری جان ہو۔" بہت ساری باتیں کرنے کے بعد اب وہ مرنے سے سو رہا تھا اور میں سوچ رہی ہوں کہ اس کے اچھے موڈ کے لیے اگر کبھی اس کی کوئی پرانی دوست مل جایا کرے تو یہ کوئی اتنا مہنگا سودا تو نہیں ہے۔

⁂

17 فروری

آج مجھے میری پوسٹنگ کے آرڈرز مل گئے ہیں مجھے یو این او میں پاکستان کے مستقل نمائندے کی حیثیت سے کام کرنا ہے۔ ایک بہت نازک اور اہم جگہ پر ایک ایسی جگہ

جہاں پوسٹ ہونے کے لیے فارن آفس کے مختلف آفیسرز کے درمیان کھینچا تانی ہوتی رہتی ہے لیکن جیت ہمیشہ اسی بندے کی ہوتی ہے جس کے تعلقات سب سے زیادہ ہوں اور میرے لیے اس جگہ پوسٹ ہونا کوئی پرابلم نہیں تھا کیونکہ رشتہ داروں کا کچھ فائدہ تو ہونا ہی چاہیے اور ویسے بھی پاکستان میں میرے اتنے لمبے قیام کے پیچھے رشتہ داروں کی کرم فرمائی ہی تو ہے ورنہ مجھے اتنا لمبا قیام کیسے ملا۔ اتنا لمبا عرصہ پاکستان میں صرف اس لیے رہا کیونکہ اپنی پرسنل لائف کو سٹیل کرنا چاہتا تھا، پھر کشف بھی جاب کر رہی تھی اور وہ ایک دم فارن سروس میں نہیں آسکتی تھی۔ بہرحال اب سب کچھ ٹھیک ہو چکا ہے، اس لیے اب اپنے کیریئر پر توجہ مرکوز کرنا چاہتا ہوں۔

کشف، تیمور اور ایبک میرے ساتھ جا رہے ہیں' اس لیے مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے اور ویسے بھی کہیں بھی اپنی پوسٹنگ ہونے پر انہیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھوں گا کیونکہ میں ان کا عادی ہوں اور عادی ہی رہنا چاہتا ہوں۔ ان کے بغیر رہنا اب میرے لیے ممکن نہیں ہے اور ویسے بھی ماں باپ کی سب سے زیادہ ضرورت اس عمر میں ہوتی ہے۔ ایبک تو ابھی کافی چھوٹا ہے لیکن تیمور کو ابھی میرے ساتھ کی ضرورت ہے۔ اسے میری محبت اور توجہ چاہیے اور یہ سب اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ میرے ساتھ رہے۔ میں چاہتا ہوں اب کشف جاب چھوڑ دے۔ لیکن یہ بات اس سے کہنے کی ہمت نہیں ہے، مجھے یہ ڈر ہے کہیں وہ یہ نہ سمجھے کہ میں دوبارہ پہلے جیسا ہو گیا ہوں، اس پر اپنی بالادستی قائم کرنا چاہتا ہوں پھر مجھے یہ خوف بھی ہے کہ کہیں وہ خود کو مجھ سے کمتر فیل کرنا نہ شروع کر دے اسے کہیں ایسا نہ لگے کہ وہ میرے مقابلے میں کچھ نہیں ہے صرف بے کار اور بے مصرف ہے اور میں اسے گھر تک محدود کر دینا چاہتا ہوں حالانکہ میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں۔

میں صرف اس پر سے کام کا پریشر کم کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں اس کے پاس اپنے لیے بھی کچھ وقت ہو، چند ایسے لمحے جنہیں وہ اپنی مرضی سے گزار سکے ابھی تو وہ ایک مشینی زندگی گزار رہی ہے، سارا دن آفس میں گزار کر گھر آتی ہے اور پھر وہی روٹین لائف۔ دوپہر اور رات کا کھانا تیار کروانا، میرے اور تیمور اور ایبک کے دوسرے کام کرنا۔ وہ ہمارے گھر میں سب سے پہلے جاگتی اور سب سے آخر میں سوتی ہے۔ سو میں چاہتا ہوں اسے تھوڑا آرام ملے۔ میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ میں اس سے اپنے کام کروانے چھوڑ دوں۔

اس نے مجھے اپنا اتنا عادی بنا لیا ہے کہ میں اس کے علاوہ کسی دوسرے سے اپنا کام کروا ہی نہیں سکتا لیکن پھر بھی چاہتا ہوں کہ اس پر کام کا اتنا بوجھ نہ رہے لیکن میں اسے کسی

بات پر بھی مجبور نہیں کروں گا۔ آخری فیصلہ اسی کا ہوگا کیونکہ میں اس عورت کا معترف ہوں۔

اب میں بار بار اس سے محبت کا اظہار نہیں کرتا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے اس سے محبت نہیں رہی اس کے اور میرے درمیان اب جو رشتہ ہے، اسے لفظوں کی ضرورت نہیں ہے۔

اب وہ جانتی ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں بالکل اسی طرح جس طرح مجھے یہ علم ہے کہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔

کشف میرے لیے بہت قیمتی چیز ہے۔ میں ہمیشہ کوشش کرتا ہوں کہ اسے مجھ سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ ایک بات پر مجھے ہمیشہ افسوس رہے گا۔ آج سے پانچ چھ سال پہلے میں نے ایک دفعہ اسے تھپڑ مارا تھا اور وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ اس وقت میں نے اسے طلاق دینے کے بارے میں سنجیدگی سے سوچا تھا تب وہ پریگننٹ تھی اور یہ بات ہم دونوں نہیں جانتے تھے۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں اگر تب میں اسے طلاق دے دیتا اور بعد میں مجھے پتا چلتا کہ وہ میرے بچے کی ماں بننے والی تھی تو میں تو شاید پاگل ہی ہو جاتا کیونکہ میرے پاس اس کی طرف واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہتا پھر زندگی میرے لیے عذاب کی طرح ہوتی اگر میں دوسری شادی کر بھی لیتا تب بھی میرا دل کشف اور اپنے بچے کے لیے تڑپتا رہتا۔ یہ تو صرف خدا ہی تھا جس نے اس وقت میرا گھر تباہ ہونے سے بچا لیا جس نے میری زندگی میں آرام و سکون رکھا جس نے مجھے کشف جیسی بیوی اور تیمور اور ایبک جیسے بیٹے دیے میں تو اس کی اتنی بہت ساری نعمتوں کا مستحق ہی نہیں تھا پھر بھی اس نے مجھ جیسے آدمی پر اتنی عنایات کیں۔ میں کبھی بھی ان سب چیزوں کے لیے اس کا شکر ادا نہیں کر سکتا یقیناً وہی سب سے زیادہ رحیم و کریم ہے، میری اس سے صرف یہی دعا ہے کہ وہ میرے گھر کو ہر مصیبت سے بچائے رکھے اور میری باقی زندگی بھی اسی طرح امن اور سکون سے گزار دے۔

27 فروری

آج پاکستان میں میرا آخری دن تھا اور پورے سات گھنٹے بعد میں زارون کے ساتھ امریکہ چلی جاؤں گی اور واپسی بہت جلد نہیں ہوگی۔ اس وقت زارون سو رہا ہے کیونکہ و ہمیشہ لمبی فلائٹ سے پہلے ضرور سوتا ہے میں اس وقت اکیلی ہوں اور پتا نہیں میرا دل کیوں چا رہا ہے کہ پاکستان میں گزارے ہوئے اپنے پچھلے سالوں کے بارے میں کچھ لکھوں۔ شاید ایسا اس لیے ہے کیونکہ آج میں نے اپنے پچھلے سالوں کی تمام ڈائریاں پڑھی ہیں اور پھر انہیں

دوسری ڈاکومینٹس کے ساتھ بینک لاکر میں رکھوا دیا ہے کیونکہ میں ان سب کو اپنے ساتھ لے کر نہیں جا سکتی۔

تین بجے کی فلائٹ سے مجھے جانا ہے اور ابھی بہت وقت ہے یہاں سے جانے سے پہلے میں سارے اعتراف کرنا چاہتی ہوں بہت کچھ لکھنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ آج میں کتھارسس کے موڈ میں ہوں۔

چار دن پہلے میں زارون کے ساتھ اپنی فیملی کو خدا حافظ کہنے گجرات گئی تھی کیونکہ اب ان سے دوبارہ ملاقات بہت عرصے کے بعد ہو گی۔ وہاں میں اپنے باقی رشتہ داروں سے بھی ملی۔ مجھے ہمیشہ یہ شکایت رہتی تھی کہ میری امی کو ان کی اچھائیوں ان کی نیکیوں کا کوئی صلہ نہیں ملا اور نہ ہی کبھی ملے گا لیکن آج جب میں اپنی امی اور اپنی ممانیوں کا موازنہ کرتی ہوں تو یہ بات بالکل صاف نظر آتی ہے کہ میری یہ سوچ غلط تھی۔ ایسا کیا ہے جو آج میری امی کے پاس نہیں ہے؟ ان کی چاروں بیٹیاں اچھے گھروں میں بیاہی گئی ہیں اور بہت آرام سے ہیں، ان کے دونوں بیٹے اچھے عہدوں پر ہیں ان کی بہو ان کی عزت کرتی ہے، ان سے محبت کرتی ہے انہیں کسی قسم کی کوئی پریشانی لاحق نہیں یہ ٹھیک ہے کہ ان کے پاس بے تحاشا دولت نہیں ہے لیکن اچھی اور پر سکون زندگی گزارنے کے لیے کسی کے پاس جتنا روپیہ ہونا چاہیے، وہ ان کے پاس ہے اور زیادہ کی ہوس تو انہیں کبھی تھی ہی نہیں۔ کیا یہ سب ان کی نیکیوں کا صلہ نہیں ہے۔

پہلے امی کا صبر شکر، ان کی قناعت مجھے زہر لگتی تھی اور آج میں جو یہ سمجھتی تھی کہ دولت ہر مسئلے کا حل ہے اب اپنی اس سوچ پر شرمندہ ہوں۔ کوئی انقلاب نہیں آیا نہ کوئی معجزہ ہوا نہ ہی ایک رات میں کایا پلٹی مگر پھر یہ کیسے ہوا کہ جن کے پاس پہلے دولت تھی وہ آج دولت کی موجودگی میں بھی خوش نہیں سکون سے محروم ہیں اور جو کبھی اچھے لباس اور اچھی خوراک کے لیے ترستے تھے آج ان کے پاس خوشی اور سکون کے ساتھ ساتھ وہ سب کچھ ہے جو کبھی ان کی خواہش تھا۔

فرق صرف اچھائیوں کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کس نے زندگی کو کیسے برتا۔ اپنے سے کمتر لوگوں کی بھی کوئی عزت نفس ہوتی ہے دنیا میں دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتی روپے کے بل بوتے پر آپ دوسروں کو کوڑا کرکٹ نہیں سمجھ سکتے۔ جن لوگوں کے پاس کچھ نہیں ہوتا ان کی زندگیاں آسان بنانے میں کچھ کردار پیسے والے لوگوں کو بھی ادا کرنا ہوتا ہے۔

میں پہلے ہر بات میں خدا کو مورد الزام ٹھہرایا کرتی تھی اور مجھے اس بات پر ہمیشہ

افسوس رہے گا کہ میں نے خدا کو غلط سمجھا شاید ہم سب ہی خدا کو غلط سمجھتے ہیں۔ ان کی طاقت کا غلط اندازہ لگاتے ہیں، ہمیں خدا پر صرف اس وقت پیار آتا ہے جب وہ ہمیں مالی طور پر آسودہ کر دے اور اگر ایسا نہ ہو تو ہم اسے طاقتور ہی نہیں سمجھتے۔ ہم نماز کے دوران اللہ اکبر کہتے ہیں، اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے اور نماز ختم کرتے ہی ہم روپے کو بڑا سمجھنا شروع کر دیتے ہیں مجھے ہمیشہ ایسا لگتا تھا کہ خدا مجھ سے نفرت کرتا ہے۔

حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ خدا تو ہر ایک سے محبت کرتا ہے اسی لیے تو اس نے مجھے آزمائشوں میں ڈالا اور وہ اپنے انہیں بندوں کو آزمائش میں ڈالتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے اگر خدا واقعی مجھ سے نفرت کرتا ہے اور وہ میرے مسائل ختم نہ کرنا چاہتا تو مجھے مشکلات سے لڑنے کا حوصلہ بھی دیتا۔ میں نے سی ایس ایس کوالیفائی کیا اور اس میں اچھی پوزیشن لی۔ خدا کی رضا کے بغیر یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ رزلٹ اناؤنس ہونے کے فوراً بعد مجھے اکیڈمی کال کر لیا گیا اور سب سے بہترین ڈیپارٹمنٹ میں بھیجا گیا کیا یہ سب خدا کی مرضی کے بغیر ہو سکتا تھا۔ مجھے اپنی بہنوں کی شادیوں کے لیے رشتوں کی تلاش میں ہاتھ پاؤں مارنے نہیں پڑے نہ ہی جہیز کے لمبے چوڑے مطالبے سننا پڑے۔ کیا تب خدا میرے ساتھ نہیں تھا؟ اور پھر میرے دونوں بھائیوں کو کسی سفارش کے بغیر آرمی میں لیا گیا کیا، یہ بھی خدا کی مرضی کے بغیر ہو سکتا تھا۔ پھر میں بھی جو بری طرح احساس کمتری کا شکار تھی جس کا خیال تھا کہ اگر کسی کے پاس دولت اور خوبصورتی ہے تو وہ سب کچھ حاصل کر سکتا ہے اور جس کے پاس یہ چیزیں نہیں وہ دنیا میں کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتا۔

خدا نے میرے اس خیال کو بھی غلط ثابت کیا۔ میں خوبصورت نہیں تھی پھر بھی زارون نے مجھے پسند کیا۔ میرے پاس دولت بھی نہیں تھی پھر بھی میں اتنے بڑے خاندان کی بہو ہوں سو ثابت ہوا کہ میری ہر سوچ، ہر خیال غلط تھا اور شاید احمقانہ بھی۔ خوبصورتی اور دولت خدا دیتا ہے سو اسے ان چیزوں کی کیا پروا جو اسی کی دین ہیں پر یہ سب میں پہلے نہیں جان پائی۔ شاید میں اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ خدا چاہتا تو مجھے ان سب غلط نظریات کی سزا دیتا جو میں خدا کے بارے میں رکھتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ یہ اس کا رحم اور کرم ہی تھا کہ اس نے سچ مچ مجھ سے منہ نہیں موڑا وہ مجھ سے بے پروا نہیں ہوا۔ اس نے میری نادانیوں کو معاف کر دیا۔

میں نے سخت محنت کی اور اس نے مجھے اس کا اجر دیا۔ شاید محنت کے بغیر وہ مجھے کبھی کچھ نہ دیتا۔ یہ بیسویں صدی ہے۔ اس میں ہاتھ پاؤں مارے بغیر کچھ نہیں ملتا کیونکہ اب خدا

پلیٹ میں کوئی چیز رکھ کر ہمیں پیش نہیں کرے گا۔ اس نے ہمارے مقدر میں جو لکھا ہے وہ ہمیں اس وقت تک نہیں ملے گا جب تک ہم اسے پانے کے لیے محنت نہ کریں۔

اگر آج اپنے ماضی پر نظریں دوڑاؤں تو مجھے اپنے آپ پر رشک آتا ہے کیونکہ میں نے اپنی شخصیت خود بنائی ہے، میں سیلف میڈ ہوں، میرے راستے میں کسی نے آسانی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی لیکن بہت سارے کمپلیکسز، ڈھیروں مخالفتوں اور ہزاروں خامیوں کے باوجود ایک چیز جو میں نے کبھی ترک نہیں کی وہ محنت تھی اور شاید ایک لڑکی ہوتے ہوئے جتنی محنت میں نے کی، کوئی دوسرا نہ کرتا۔ میری فیملی کچھ نہیں تھی اور اس کچھ نہیں سے میں نے کبھی کمپرومائز نہیں کیا۔ میں نے وہ سب پانے کے لیے جدوجہد کی جو ہم کھو چکے تھے اور پھر آہستہ آہستہ سب پا لیا بلکہ شاید اس سے زیادہ ہی پایا جتنا ہم نے کھویا تھا۔

ان دنوں میرے دل میں بس ایک ہی خیال رہتا تھا کہ مجھے کچھ بننا ہے اپنے لیے نہیں بلکہ اپنی فیملی کے لیے اپنی تحقیر مجھے اس وقت اتنی بری نہیں لگتی تھی جتنا اپنی فیملی کا نظرانداز کیا جانا برا لگتا تھا۔ اپنے رشتہ داروں کے طنزیہ جملے ان کے طعنے ان کی نظریں ہر چیز نے مجھے آگے بڑھنے کے لیے اکسایا۔ جو لوگ میرے ساتھ خراب سلوک کرتے تھے وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ آگے بڑھنے میں مجھے کس قدر مدد دے رہے ہیں شاید ان کے اس سلوک کے بغیر میں کبھی اس مقام پر نہیں پہنچ پاتی جس پر آج میں ہوں۔

ان دنوں زندگی اس لیے مشکل نہیں لگتی تھی کہ گرمیوں میں پیدل کالج آتے جاتے پیروں میں چھالے پڑ جاتے تھے، اچھا کھانے، اچھا پہننے کے لیے روپے نہیں ہوتے تھے، نہ ہی آج زندگی اس لیے آسان لگتی ہے کہ نہیں جانے کے لیے ایک نہیں تین تین گاڑیاں ہیں اور کوئی ایسی چیز نہیں جو میری دسترس سے باہر ہو، تب زندگی شاید اس لیے بوجھ لگتی تھی کیونکہ مجھے اپنے وجود سے نفرت تھی۔ مجھے ایسا لگتا تھا کہ میں بے کار ہوں میں کچھ نہیں کر سکتی مجھ میں ظاہری اور باطنی کوئی خوبی نہیں۔ میرے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ دوسرے لوگوں کی طرح خدا نے بھی میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے اگر ان دنوں مجھے اس بات کا یقین ہوتا کہ خدا میرے ساتھ ہے اور وہ مجھے کبھی اکیلا نہیں چھوڑے گا تو شاید مجھے اپنی ذات سے محبت ہوتی اور میں ساری تکلیفیں آسانی سے بغیر شکوہ شکایت کیے برداشت کر لیتی اگر آج مجھے اپنے وجود سے محبت ہے تو صرف اس لیے کیونکہ اب مجھے خدا کے ساتھ پر یقین ہے۔

میں سوچتی ہوں اگر اس وقت میں تعلیم چھوڑ دیتی اور یہ توقع رکھتی کہ خدا سب کچھ ٹھیک کر دے گا تو کیا ہوتا؟ سب کچھ اسی طرح رہتا اور زندگی ویسے ہی ٹھوکریں کھاتے ہوئے

ختم ہو جاتی۔ اگر میں محنت نہ کرتی تو میں اور میری فیملی آج بھی وہیں کھڑی ہوتی میں اور میری بہنیں آج بھی ایک ایک چیز کے لیے ترستے لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری اور خدا نے مجھے میری اچھائیوں کا بدلہ دیا۔

ہاں مجھ میں اچھائیاں تھیں۔ تب میں یہ تسلیم نہیں کرتی تھی لیکن یہ حقیقت ہے کہ خدا نے مجھے جو آسائشیں دی ہیں۔ وہ میرے ایثار اور قربانیوں کا صلہ ہیں۔ یہ کیوں کہوں کہ میں نے کوئی اچھا کام کیا ہی نہیں، میں نے تو اپنے بساط سے بڑھ کر ایثار کیا تھا۔ اپنے مفاد کے لیے تو کبھی کچھ سوچا ہی نہیں، سی ایس پی آفیسر بننے کے بعد بھی مجھ میں کوئی تصنع یا بناوٹ نہیں آئی نہ ہی میں نے اپنے آپ پر غرور کیا اور شاید یہ سب باتیں ہی خدا کو پسند آ گئیں۔

آج لوگ مجھے خوش قسمت سمجھتے ہیں۔ میرے رشتہ دار یہ دعا کرتے ہیں کہ ان کی بیٹیوں کی قسمت بھی میرے جیسی ہو۔ ان کا خیال یہ ہے کہ مجھے تو سب کچھ بس ایسے ہی مل گیا ہے ان میں سے کسی نے یہ سوچنے کی زحمت نہیں کی ہوگی کہ یہ سب کچھ پانے کے لیے میں نے کیا کھویا، کیا کچھ قربان کیا اور کیا کچھ قربان کر رہی ہوں، تب کہیں جا کر ایک گھر بنا پائی ہوں۔ پردے کے پیچھے کی حقیقت جاننے کی کوشش کوئی نہیں کرتا۔ خدا کسی کو کوئی چیز ہمیشہ کے لیے نہیں دیتا جب وہ کسی کو کوئی نعمت دیتا ہے تو صرف آزمائش کے لیے وہ چاہتا ہے کہ ہم اس چیز کو ہمیشہ اپنے پاس رکھنے کے لیے جدوجہد کریں۔

وہ چاہتا ہے کہ ہم اپنے آپ اس نعمت کا اہل ثابت کریں اور ہم اکثر اپنے آپ کو اس نعمت کا اہل ثابت کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ جب زارون مجھے ملا تھا تو شروع میں مجھ سے کچھ حماقتیں سرزد ہوئی تھیں لیکن پھر آہستہ آہستہ میں محتاط ہو گئی کیونکہ میں جانتی تھی ایک دفعہ میں نے اسے کھو دیا تو پھر دوبارہ میں کچھ نہیں پاسکوں گی۔

میں نے زارون کی ہر بات برداشت کی۔ وہ بہت اچھا تھا لیکن مرد تھا جس کے اپنے احساسات اور جو انہیں ہرٹ ہوتا برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ایک ایسا مرد جسے کوئی مجبوری لاحق نہیں تھی کہ وہ ضرور میرے ساتھ ہی زندگی بسر کرے۔ سو اپنے گھر کو برقرار رکھنے کے لیے میں نے اپنے جذبات قربان کیے۔ بہت سی باتیں ناپسندہ ہونے کے باوجود صرف اس لیے اپنائیں کیونکہ وہ زارون کو پسند تھیں۔ اپنے بہت سے پسندیدہ کام صرف اس لیے چھوڑ دیے کیونکہ وہ زارون کو ناپسند تھے۔

میں نے زارون پر کبھی کوئی تجربہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی فیملی کا رویہ شروع میں میرے ساتھ بہت خراب تھا اور اس کی ماما ابھی تک مجھے ناپسند کرتی ہیں۔ بہت دفعہ انہوں

نے میرے بارے میں دوسروں کے سامنے ریمارکس دیئے اور میں جو کسی کی کوئی بات برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ یہ سب صرف اس لیے برداشت کر گئی کیونکہ وہ زارون کی ماں تھیں اگر میں ان سے الجھتی تو زارون مجھے ناپسند کرتا بہر حال وہ اس کی ماں تھیں جسے بدلا نہیں جا سکتا اور میں صرف بیوی جسے وہ جب چاہے بدل سکتا تھا اور میری یہ خاموشی بے کار نہیں گئی۔

اگر اب اس کی ماما دوسروں کے سامنے پہلے کی طرح میرے بارے میں ریمارکس نہیں دیتیں تو صرف اس لیے کیونکہ زارون میرے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتا اور وہ بہت سختی سے انہیں ایسی باتوں سے روک دیتا ہے اور میرے لیے کافی ہے اگر میں زارون کے گھر والوں کے ساتھ جھگڑتی۔ اس سے بدتمیزی کرتی یا اس کی مرضی کے خلاف ہر کام کرتی تو وہ لازمی طور پر مجھے طلاق دے چکا ہوتا اور اگر ایسا ہوتا تو کیا پھر بھی میں خدا سے شکوہ کر سکتی تھی کہ اس نے مجھ سے انصاف نہیں کیا اور مجھے دوبارہ اکیلا چھوڑ دیا ہے۔ یقیناً نہیں۔

یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں اپنی مرضی سے ہر غلط کام کرنے کے بعد بھی یہ توقع رکھتی کہ خدا میری مدد کرتا رہے۔

جب زارون سے میری شادی ہوئی تھی تو میں اس کے لیے ایک راز کی طرح تھی۔ اس نے میری ظاہری شخصیت سے محبت کی تھی جو بظاہر بڑی مضبوط، طاقتور اور پرکشش تھی اگر وہ یہ جان جاتا کہ یہ تو صرف ایک ماسک ہے جو میں نے خود پر چڑھایا ہوا ہے ورنہ تو میں بھی دوسری عورتیں کی طرح ہوں تو مجھ میں اس کی دلچسپی ختم ہو جاتی۔ یہ بات میں بہت جلد سمجھ گئی کہ یہ زندگی تھی کوئی افسانہ نہیں جس میں ہیرو، ہیروئن کے مسائل' اس کی پریشانیاں جان کر اس سے مزید محبت کرتا اور اس کی ساری محرومیوں کو اپنے پیار سے ختم کر دیتا۔ میں جانتی تھی کہ زارون کے پاس نہ تو اتنا وقت ہے اور نہ ہی اسے ضرورت ہے کہ وہ میری نفسیات کو جاننے کی کوشش کرتا۔ میرے ماضی کے مسائل کو جانتا اور وہ سب جان کر بھی مجھ سے محبت کرتا رہتا۔

سو میں نے کبھی اپنے ماضی کو اس کے سامنے رکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اپنا کوئی ذاتی مسئلہ اس سے ڈسکس نہیں کیا۔ میں نے کبھی جذبات کی رو میں بہہ کر اسے یہ بتانے کی کوشش نہیں کی کہ مجھے تعلیم حاصل کرنے کے لیے کتنی جدوجہد کرنا پڑی یا یہ کہ مجھے کیسے مالی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے اسے زندگی کا ساتھی ضرور سمجھا لیکن اپنی سابقہ زندگی کو اپنے دل کے اندر ہی محفوظ رکھا کیونکہ میں اس کی نظروں میں بے وقعت ہونا نہیں چاہتی تھی۔

اور اس بات نے مجھے ہمیشہ فائدہ پہنچایا۔ میں نے اپنی نفسیات اس کو سمجھانے کے بجائے اس کی سائیکالوجی سمجھنے کی کوشش کی۔ اسے ایک گھر کی ضرورت تھی۔ وہ اپنے

وابستہ لوگوں کی پوری توجہ چاہتا تھا کیونکہ وہ اس سے محروم رہا تھا اور میں نے اس کی یہ ضرورت پوری کی۔ اسے اس حد تک گھر اور بچوں میں انوالو کیا کہ اس کے لیے اب ان کے بغیر رہنا ممکن نہیں۔

پہلے میرا خیال تھا کہ زارون میں کوئی اچھائی نہیں پھر بھی اس کے پاس سب کچھ ہے لیکن کیا واقعی اس میں کوئی خوبی نہیں تھی۔ اپنی ساری بشری کمزوریوں کے باوجود بعض معاملات میں اس کی اپروچ بڑی صاف اور واضح تھی۔ اس نے کبھی مجھے اپنی فیملی کی مالی مدد کرنے سے نہیں روکا، اس نے کبھی اس بات کو طنز کے طور پر استعمال کیا اور نہ ہی اس بناء پر اس نے میری فیملی کے احترام میں کوئی کمی کی۔

اس نے کبھی مجھے جاب چھوڑنے پر مجبور نہیں کیا۔ سماجی حیثیت میں اپنے سے کمتر ہونے کے باوجود اس نے مجھ سے شادی کی اور اس معاملے میں اس نے اپنے گھر والوں کی مخالفت کی بھی پروا نہیں کی۔ اس نے کبھی کسی سے میرے فیملی بیک گراؤنڈ کو چھپانے کی کوشش نہیں کی اور جب بھی کسی نے میرے فیملی کے سوشل اسٹیٹس کے بارے میں جاننا چاہتا تو اس نے ان کے بارے میں کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی اور اس نے مجھے بہت دفعہ کہا۔

''کشف! جب کالج میں ہمارا جھگڑا ہوا تھا تو تم نے کہا تھا ''شرم اس بات پر نہیں آنی چاہیے اگر آپ کے پاس روپیہ نہیں۔ آپ غریب ہیں، شرم تو اس بات پر آنی چاہیے اگر آپ قاتل ہیں چور ہیں یا ایسی کوئی دوسری برائی آپ کے اندر موجود ہو۔ تمہاری وہ بات میرے دل پر نقش ہو گئی تھی۔ واقعی غربت یا کم روپیہ شرمندگی کی بات نہیں۔''

آیا یہ ساری خصوصیات کسی عام مرد میں ہو سکتی ہیں۔ یقیناً نہیں۔ وہ ایک عام مرد ہے بھی نہیں۔ اگر خدا نے اسے شروع سے آسائشوں میں رکھا تھا تو شاید یہ اس کے لیے انعام یوں تھا کیونکہ اسے بعد میں میرے جیسی ایک عورت کو اعتماد اور عزت دینی تھی۔ ایک عورت کا خدا پر یقین مضبوط کرنا تھا۔ سو ان سب باتوں کے لیے خدا نے اسے پہلے ہی نواز دیا اور اب میں یہ کیسے چاہ سکتی ہوں کہ اسے کسی قسم کی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔

اس کی ذات سے میں اور میرے دونوں بیٹے وابستہ ہیں۔ اسے پہنچنے والی کسی تکلیف سے سب سے زیادہ ہم متاثر ہوں گے۔ وہ ایک انعام ہے جو اتنی صعوبتوں کے بعد خدا نے مجھے دیا ہے اب میں اسے کیسے کھو سکتی ہوں۔ خدا نے ایک دفعہ پھر ثابت کر دیا ہے جن لوگوں کی آسائشوں سے ہم حسد کرنے لگتے ہیں کہ ان میں تو کوئی خوبی ہی نہیں یہ تو کسی چیز کے مستحق ہی نہیں ہوتے پھر انہیں خدا نے اتنا سب کچھ کیوں دے رکھا ہے۔ ہو سکتا ہے

سب نعمتیں انہیں کسی دوسرے کی دعاؤں کے عوض ملی ہوں۔ پتا نہیں وہ کسی کی کتنی ریاضتوں کا صلہ ہوں۔ جیسے کہ زارون میرے لیے ہے۔

ماضی میں اگر میں خدا سے اتنے شکوے شکایتیں کرتی رہتی تھی تو اس کی ایک وجہ لوگوں کا رویہ بھی تھا۔ لوگ جان بوجھ کر ہمیں اس طرح ٹریٹ کرتے تھے کہ ہمیں ہماری حیثیت کا اندازہ ہوتا رہے۔ لوگوں کے رویے کی وجہ سے ہی میں خدا سے بددل ہو گئی تھی۔ کاش لوگ کبھی یہ جان پاتے کہ ان کے رویوں کی وجہ سے کوئی خدا سے برگشتہ ہونے لگتا ہے۔

آج میرے پاس بھی کسی چیز کی کمی نہیں لیکن اپنا گھر، دولت، عہدہ، بچے یا شوہر دیکھ کر میں آپے سے باہر نہیں ہوتی۔ بہت متوازن ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتی ان چیزوں کے بل بوتے پر میں کسی کی دل آزادی کا باعث بنوں۔ کوئی میری آسائشیں دیکھ کر اپنے وجود سے نفرت کرے کسی کو میرا رویہ خودکشی کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دے۔ نہیں مجھے اس سب سے خوف آتا ہے میں وہ سب نہیں کرنا چاہتی جو کل تک میرے ساتھ ہوتا رہا۔ اسی لیے خود کو بڑا نارمل رکھا ہے۔

میں جب بھی گجرات جاتی ہوں تو کسی فنکشن میں کسی کے روپے کی بناء پر اسے غیر معمولی توجہ نہیں دیتی، ہر ایک کو ایک جیسے ٹریٹ کرتی ہوں قطع کہ اس کی مالی حیثیت کیا ہے۔ میں قیمتی لباس افورڈ کر سکتی ہوں لیکن سادہ لباس پہنتی ہوں۔ میرے پاس روپیہ ہے یہ سب جانتے ہیں پھر کیا ضروری ہے کہ میں شو آف کروں دوسروں کو احساس کمتری میں مبتلا کروں۔

پھر یہ چیزیں مجھے خوش بھی نہیں کرتیں۔ خدا کا شکر ہے جس نے مجھے بہت ساری خوبیوں سے نوازا اور اچھا اور بہتر انسان بنایا۔ اس نے میرے ظاہر کے بجائے میرے باطن کو خوبصورت بنایا تھا لیکن یہ میں اب جان پائی ہوں۔ کاش میں پہلے بھی اپنی ان خوبیوں کو جان پائی اور ان پر شرم محسوس نہ کرتی مگر ٹھیک ہے ہر کام وقت گزرنے کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

میری زندگی ابھی ختم نہیں ہوتی۔ میں نہیں جانتی ہر آنے والا دن میرے لیے کیا لائے گا۔ مجھے یہ یقین نہیں ہے کہ اب میری زندگی میں ہمیشہ خوشیاں ہی رہیں گی۔ مجھے یہ زعم بھی نہیں ہے کہ زارون ہمیشہ میرا ہی رہے گا یا میرے بیٹے بھی زندگی میں بہت کامیاب رہیں گے۔ یقین اگر کسی بات پر ہے تو صرف اس بات پر کہ اب میں کسی مصیبت پر پہلے کی طرح خدا کو موردِ الزام نہیں ٹھہراؤں گی۔ میں نے صبر اور برداشت سیکھ لی ہے۔ اب میں خدا کے ایک فرمانبردار اور صابر بندے کی طرح اس کی ہر رضا پر راضی رہوں گی کیونکہ ہر خوشی کے بعد غم اور غم کے بعد خوشی آتی ہے۔ خدا سے میرا تعلق اب بہت مضبوط ہو چکا ہے اور اب میں

پہلے کی طرح اپنے مستقبل سے خوفزدہ نہیں ہوں لیکن پھر بھی ہر معاملے میں سمجھداری سے کام لیتی رہوں گی تا کہ ہر مصیبت سے بچی رہوں۔

اپنے سروس کے سال پورے ہونے کے بعد میں جاب چھوڑ دوں گی تا کہ اپنے بیٹوں کو پوری توجہ دے سکوں تا کہ ان کی شخصیت میں کوئی خامی، کوئی کمی نہ رہے۔

جب میں پہلے دن کالج گئی تھی تو زارون سے میری بحث ہوئی تھی، میں نے اس سے کہا تھا ایک ووٹ کی جیت کوئی حیثیت نہیں رکھتی اور اپنے اس پوائنٹ کو ثابت کرنے کے لیے پتا نہیں کیا کیا دلیلیں دی تھیں پر آج اپنی ڈائری میں اس دن کا حال پڑھ کر میں سوچ رہی تھی کہ تب میں غلط تھی۔

جیت تو جیت ہی ہوتی ہے چاہے وہ ایک ووٹ کی ہو یا ایک لاکھ ووٹوں کی۔ زندگی بھی تو ایک ووٹ کی جیت ہے۔ واضح اکثریت سے اس میں بھی کوئی فتح یاب نہیں ہوتا بس یہ ہوتا ہے کہ کسی کو چند خوشیاں زیادہ مل جاتی ہیں اور کسی کو چند غم۔ ایک کے رونے کی آواز آ رہی ہے، زارون اٹھ گیا ہو گا اور یقیناً مجھے تلاش کر رہا ہو گا اس لیے آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے ویسے بھی بہت لمبی فلائٹ ہے کچھ دیر مجھے بھی سو جانا چاہیے۔